تذکرۂ رحیمی

از

مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

نامور و باکمال شخصیات کے تذکرے و سوانح عمریاں عموماً ان کی وفات کے بعد لکھی جاتی ہیں تاکہ ان کے مکارم اخلاق و کارنامے آئندہ نسلوں کے لئے مشعل راہ کا کام دیں، یہاں جن نامور شخصیات کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان کی منجملہ دیگر خصوصیات، ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ انہوں نے غیر علمی شہر میں رہ کر اپنی اولاد کی تربیت کچھ اس انداز سے کی کہ ان کا مزاج سراپا علمی و تحقیقی بن گیا اور ان کا فیض دور تک پہنچا، نیز یہ بھی ان کی حسنات سے ہے کہ ان کے خاندان کا تذکرہ پہلی بار قلمبند ہوا۔

ہماری یہ خوش قسمتی ہے کہ خاندان کے بعض افراد کا ذکر بھی اس میں آیا ہے وہ بحمد اللہ بقید حیات ہیں، انہیں میں نے جب دیکھا اور پایا ان کے متعلق اپنے تاثرات و مشاہدات صفحۂ قرطاس پر نقل کرتا چلا گیا، میں انہیں اس دور میں خیر خلف خیر سلف کا مصداق سمجھتا ہوں، ممکن ہے اخلاف میں کسی کی طبع نازک پر کوئی بات گراں گذرے لیکن یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ یہ بھی ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ آدمی کے فخر کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کی خامیاں بتائی جائیں تاکہ لوگ سمجھ سکیں کہ ان چند باتوں کے سوا اس میں سب خوبیاں ہیں، یہ باتیں دراصل اس کے کمال کا اعتراف ہے۔

میں عقیدت کو حقیقت سے بالاتر نہیں سمجھتا چنانچہ میں نے اپنی دانست میں اس مختصر تذکرے میں بزرگوں کی خوبیاں و خامیاں بیان کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے جہاں تک ہوسکا تصویر کو اپنے اصلی رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ ہم ''خذما صفا و دع ما کدر'' (وہ لو جو ستھرا ہے جو میلا ہے چھوڑو)۔ پر عمل کر کے اپنے اسلاف کا نمونہ بن سکیں، یہی وہ دعا ہے جس کی ہمیں تعلیم دی گئی ہے۔

رب اوزعنیی ان اشکر نعمتک التی	اے میرے رب، مجھے توفیق دے کہ میں تیرے
انعمت علی و علیٰ و الدی	اس احسان کا شکر ادا کرتا رہوں جو تو نے مجھ پر
و ان اعمل صالحا ترضاہ وادخلنی	اور میرے والدین پر کیا ہے اور اپنی رحمت سے
برحمتک فی عبادک الصالحین	مجھ کو اپنے صالح بندوں میں داخل کر۔

(سورۃ النمل: آیت نمبر ۱۹)

محمد عبدالحلیم چشتی

۱۷/اپریل/۱۹۸۵ء

سینئر لائبریرین بیرو یونیورسٹی، کانو، نائیجریا۔

یہ تحریر چوبیس برس پہلے لکھی تھی جن کے متعلق لکھا تھا ان میں سے اکثر اللہ کو پیارے ہوگئے۔ میں نے اب ان میں چند مفید معلومات کا اور اضافہ کیا ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس سے پڑھنے والوں کو فائدہ پہنچے اور اسے حسن قبول حاصل ہو۔ (آمین)

محمد عبدالحلیم چشتی

۲۸/ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ بمطابق ۱۶/دسمبر ۲۰۰۹ء

مشرف تخصص فی الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

تذکرۂ رحیمی

از

مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی

ہیں حسیں اور بھی پر تجھ میں ہے بات نئی

دھج نئی، گھات نئی، وضع نئی، بات نئی

میں نے جب آنکھیں کھولیں گھر کا کیا ذکر آس پڑوس تک سے صبح سویرے قرآن شریف پڑھنے کی آواز آتی تھی۔ اپنے بزرگوں کو قرآن مجید پڑھتے، خوشنویسی اور اللہ اللہ کرتے دیکھا کسب معاش کے لئے سوداگری کرتے تھے، یہی ان کا آبائی مشغلہ تھا، دس گیارہ بجے دن چڑھے دکان پر جاتے اور دن چھپے گھر آتے کھانا کھاتے نماز پڑھتے یاد اللہ کرتے کرتے سو رہتے تھے۔

محمد بخشؒ :۔ ہمارے دادا محمد بخشؒ المتوفی ۱۳۳۷ھ بمطابق 1919ء کے اللہ بخشے تین بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ سب سے بڑے محمد عبدالغنی، منجھلے حافظ محمد عبدالکریم اور سب سے چھوٹے محمد عبدالرحیم تھے۔

محمد عبدالغنیؒ :۔ غالباً ۱۲۷۷ھ بمطابق ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے جنہیں ہم بڑے ابا کہتے تھے، کتابی چہرہ اور دراز قد تھے، ڈاڑھی لمبی اور رنگ صاف تھا، ممکن ہے جوانی میں ڈیل ڈول اچھا ہو میں نے انہیں بڑھاپے

میں دیکھا تھا جب وہ ڈھل چکے تھے، صوم وصلوٰۃ کے پابند نیک ومتقی تھے، اپنا دھندا کرتے اور مست رہتے تھے، ان کی پہلی بیوی کا انتقال ہو گیا اس کے بطن سے دو بیٹیاں ہوئیں ایک کا نام صفیہ اور دوسری کا نام حمیدہؔ تھا دونوں صاحب اولاد تھیں صفیہ کا انتقال متھرا میں ہوا اور حمیدہؔ کا انتقال کراچی میں ہوا، دوسری شادی غالباً ۱۸۹۸ء میں کی، جن سے ایک لڑکی فاطمہ تھی اور تین لڑکے محمد عبد المغنی، محمد عبد الخالق اور مصطفیٰ تھے، مصطفیٰ سب سے چھوٹا تھا۔ اس نے میٹرک کیا پھر تجارت کرنے لگا لیکن عمر نے وفا نہ کی جوانی ۱۹۳۹ء میں داغ مفارقت دے گیا، بڑے ابا کو جب اس کی یاد آتی تڑپ اٹھتے سچ ہے۔

ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

محمد عبد المغنیؒ:۔ موصوف ۷ا شعبان ۱۳۱۸ھ بمطابق ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے، ۱۹۲۳ء میں بی۔اے کیا، ۱۹۲۴ء میں منشی فاضل کیا، ۱۹۲۸ء میں فارسی میں ایم۔اے کیا، ۱۹۳۰ء میں آبکاری کے محکمہ میں ملازم ہوئے، کچھ ہی دنوں بعد ۱۹۳۰ء میں مہاراجہ کالج جے پور میں لیکچرار کی آسامی پر ان کا تقرر ہوا، ۱۹۳۶ء میں ایم۔اے کو پڑھانے لگے اور پروفیسر ہو گئے، جب ۱۹۴۷ء میں راجپوتانہ یونیورسٹی کا جے پور میں قیام عمل میں آیا تو عربی وفارسی کے صدر شعبہ رہے، ۱۹۵۲ء میں اس منصب سے سبکدوش ہوئے، اس زمانے میں یہ ڈگریاں اور یہ منصب شہرت کا اچھا ذریعہ تھے، یہ وہ دور تھا جب انگریز بہادر کا طوطی بولتا تھا، اور اس کی قلمرو میں سورج نہیں ڈوبتا تھا مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کا بہت کم چلن تھا پھر راجستھان اور جے پور میں خاص طور پر مسلمانوں میں کسی کالج سے۔ بی۔اے کر لینا ہی بڑی بات تھی۔ ایم۔اے اس دور میں بہت بڑی بات تھی، ایم اے کرنے والا اس دور میں بڑا خوش نصیب ہوتا تھا، میں اگر یہ کہوں کہ راجپوتانہ میں پروفیسر صاحب پہلے ایم۔اے تھے تو کچھ مبالغہ نہ ہوگا۔ دوسرے مسلمان پروفیسر حامی الدین خان تاریخ کے ایم۔اے تھے۔

موصوف نے ۱۹۳۷ء میں جب ہماری زیریں منزل پر بالائی منزل تعمیر کرائی، جس کے استعمال کا انہیں جدّی اعتبار سے حق حاصل تھا، اس منزل کے بالائی حصہ پر نہایت جلی حروف میں ابا میاں نے ''محمد عبد الغنی۔ ایم۔اے۔ منشی فاضل، پروفیسر مہاراجہ کالج جے پور'' بھی لکھ کر کندہ کرایا تھا جسے ہر آتا جاتا

پڑھتا اور ان کے منصب سے آگاہ ہوتا تھا۔

انہوں نے معلوم ہوتا ہے طالب علمی کے زمانے میں اتنا پڑھ لیا تھا کہ پھر انہیں کتاب سے مراجعت کی کم ہی حاجت ہوتی تھی میں نے انہیں ایم۔اے کے پرچے جانچتے دیکھا ہے کتاب پڑھتے کم ہی دکھائی دیئے، صوم وصلوٰۃ کے پابند اور ذاکر وشاغل بزرگ تھے، حضرت حافظ شبیر علی چشتیؒ اور حضرت شیخ عبدالقادر رائے پوریؒ کے مجاز بیعت بھی تھے۔(۱)

ان کی زندگی بہت آسودہ وخوش حال گذری ہے یہ ''دنیا خورد وعقبیٰ برد کا مصداق تھے، میری سب سے بڑی بہن عائشہ آپا کے جو ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئی تھیں، ان کے شوہر تھے۔ ۱۹۴۷ء میں اہلیہ کے ساتھ حج کیا پھر ۱۹۶۷ء میں انہیں دوبارہ یہ سعادت حاصل ہوئی، سو یہ بھی چل بسے، اللهم اغفر له و ارحمه و انت خير الراحمين۔ ان کے چار بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں، سب سے بڑے بیٹے۔ محمد عبدالقدوس ہیں۔

محمد عبدالقدوس:۔ یہ ۱۳۴۴ھ بمطابق ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے، منشی فاضل کیا اور پھر ایم۔اے کیا یہ عمر میں مجھ سے تین برس بڑے ہیں، کمشنر آفس کراچی میں گورنمنٹ ملازم تھے، بھٹو کے دور حکمرانی میں جب شریفوں پر بن آئی تھی، عزت سے سبکدوشی حاصل کی، موصوف کی پنشن پر گذر بسر ہے کنبہ بڑا نہیں رکھتے ایک لڑکی اور ایک لڑکا ہے، لڑکی بھی ایم۔اے تھی، اس کی شادی آغا بھائی کے لڑکے حافظ محمد عبدالودود ایم۔اے سے ہوئی تھی اس کا بھی انتقال ہوگیا، یہ بینک میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر کے عہدۂ پر ممتاز رہے اور ان کا بیٹا محمد عبدالقوی ہے اس نے بھی ایم۔ایس۔سی کیا ہے اور اس کے بعد سینڈوز کمپنی میں ملازمت اختیار کی بعد میں کسی اور پرائیویٹ کمپنی میں ملازم رہا، اور اب اپنے والد کے ساتھ مستقلاً مسی ساگا کینیڈا منتقل ہوکر وہیں کی سکونت اختیار کرلی ہے اور الحمدللہ بقید حیات ہیں۔

محمد عبدالوھاب:۔ یہ ۱۳۴۸ھ بمطابق ۱۹۲۹ء میں پیدا ہوئے، ایم۔اے کیا ہے۔ بھولے بھالے

---

(۱) تاریخ وفات مورخہ ۷رجمادی الثانی سن ۱۴۰۷ بمطابق ۸رجنوری ۱۹۸۷ء۔ یہ چاشت کی نماز کے لئے وضو کررہے تھے دایاں پاؤں دھویا تھا کہ دل کا دورہ پڑا اور دن گیارہ بج کر بینتالیس منٹ پر ہوا تھا غسل کے فرائض مولانا نعمانی کی نگرانی میں بھائی غضنفر صاحب نے انجام دیئے۔ اللہ مغفرت کرے۔ آمین۔

ہیں ریش مبارک بالکل سفید ہوگئی ہے۔ جو دیکھتا ہے کسی خانقاہ کا درویش سمجھتا ہے اسکول میں پڑھاتے تھے، باتیں مزے کی کرتے تھے مردوں سے زیادہ خاندان کی خواتین اور لڑکیاں ان کی باتوں سے مزے لیتی تھیں، یہ بزرگ دیدنی وشنیدنی تھے، بہت ہی مختصر کنبہ رکھتے ہیں نہ پوچھیں تو اچھا ہے ایک لڑکا عبدالقادر ہے اسے بزرگی وسادگی میں باپ سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ عبدالوھاب کا بھی مورخہ ۱۰ مئی ۲۰۰۹ء کو انتقال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللھم اغفرله و ارحمه و انت خیر الراحمین۔

ڈاکٹر محمد عبدالباری عرف شمیم:۔ یہ ۱۳۵۳ھ بمطابق ۱۹۳۴ء میں پیدا ہوا۔ ۱۹۵۹ء میں ایم۔ بی۔ ایس کیا عابدہ خاتون سے جو ایف۔ آر۔ سی۔ ایس تھی شادی کی پھر لندن جا کر خود بھی ایف۔ آر۔ سی۔ ایس کیا، ناک، کان، حلق کا اختصاصی ڈاکٹر تھا۔ پھر مسقط صلالہ میں ملازمت اختیار کی۔ عابدہ خاتون سے ایک لڑکی ہے جس کا نام ڈاکٹر عارفہ ہے اس کی شادی بھی اس کے والد ہی نے کی تھی اس کے بعد ۱۹۸۸ء میں ڈاکٹر عابدہ خاتون کا بھی انتقال ہو گیا، دوسری شادی شمیم نے اپنے عزیزوں میں کی جس سے ایک لڑکا عمر ہے۔

محمد عبدالباسط عرف نسیم:۔ یہ ۱۳۵۹ھ بمطابق ۱۹۴۰ء میں پیدا ہوا، ایک اسکول میں استاد ہے، اس کا کنبہ بڑا ہے، بیگم بھی ایم۔ اے ہے اور خود بھی ایم۔ اے ہے۔ اب میاں بیوی دونوں رٹائرڈ زندگی گذار رہے ہیں اور خوش ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں خوش رکھے۔

پروفیسر صاحب کی چار لڑکیاں ہیں۔

زھرہ:۔ یہ حافظہ ہے عبدالتواب سے اس کی شادی ہوئی ہے، اس کے آٹھ لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں، جن میں دو عالم ہیں۔ عبدالمعز اور دو لڑکیاں حافظہ ہیں اور باقی ڈاکٹر انجینئر ہیں۔

قدسیہؒ:۔ اس کی شادی عبدالرؤف سے ہوئی، اس کی چار لڑکیاں ہیں اور چار ہی لڑکے ہیں، اس کی بھی ایک لڑکی خالدہ حافظہ ہے اور فرح بھی حافظہ ہے۔

اُم الخیر عرف زاہدہ:۔ یہ ایم۔ایس۔سی ہے اس کی شادی ڈاکٹر عابدہ خاتون کے بھائی حفیظ الرحمٰن سے ہوئی یہ نواب شاہ گرلز میڈیکل کالج سندھ میں لیکچرار تھی اور میڈیکل کالج سندھ کراچی سے رٹائر ہوئی۔اس کے تین لڑکے ہیں۔

اسماء:۔ یہ سب سے چھوٹی ہے،ایم۔اے ہے دہلی اسکول کراچی میں پڑھاتی تھی۔

محمد عبدالخالقؒ:۔ پروفیسر صاحب سے چھوٹے ہیں ۱۳۲۴ھ بمطابق ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئے،۱۹۳۱ء میں بی۔ایس۔سی کیا،۱۹۳۵ء میں ریلوے میں ہیڈ کلرک رہے اور ۱۹۶۹ء میں سپرنڈنٹ کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے۔

ان کی شادی عائشہ آپا کی چھوٹی بہن ہاجرہ آپا سے ہوئی تھی وہ ایک لڑکی سردار زمانی کو چھوڑ کر جوانی میں اللہ کو پیاری ہوگئی **غفر اللہ لہا وجعل الجنۃ مثواھا**،یہ محمد عبدالقدوس صاحب کے عقد نکاح میں تھی،اس کا انتقال ۱۹۹۸ء میں ہوا۔محمد عبدالخالق صاحب فارغ اوقات میں طلبہ کو میٹرک کی تیاری کراتے تھے،یہ چھوٹا موٹا تعلیمی ادارہ ان کے گھر ہی میں قائم تھا،یہ ادارہ اپنی نوع کا غالباً پہلا ادارہ تھا اور علم کی بقا اور ان کی آمدنی کا اچھا ذریعہ تھا،اس عارضی تعلیمی ادارہ کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ جے پور میں ان کے شاگردوں کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا اور ۱۹۴۷ء کے جے پور میں پڑھے لکھے اکثر ان کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد ہیں۔

قوم جو حکمرانی کرتی ہے محکوم قوم اس کی تہذیب کو اپنانا فخر سمجھتی ہے،خاندان میں پروفیسر صاحب کو پتلون پہنے ہیٹ لگاتے کبھی کبھی دیکھا،گھر میں انہیں انگریزی بولتے نہیں اخبار پڑھتے دیکھا تھا۔بھائی عبدالخالق صاحب کو انگریزی بولتے خوب دیکھا،ہیٹ لگانا اور نیکر پہننا تو گویا ان کی عادت سی تھی یہ اس وقت کی بات ہے لیکن قوم میں ایسے افراد کی کبھی کمی نہیں رہی جو شعوری یا غیر شعوری طور پر نظریہ درخت دار (چلو ادھر کو ہوا ہو جدھر کی) کے قائل وعامل رہے ہیں۔جزرسی سے انہیں اپنے بھائی بہنوں میں زیادہ حصہ ملا ہے،آدمی اچھے اور مرنجان مرنج تھے،تقریباً ۱۹۵۷ء میں انہوں نے دوسری شادی کی اب ماشاء اللہ بڑا کنبہ ہے،ان کا ایک لڑکا محمد ذاکر مظاہر العلوم سہارنپور سے فارغ التحصیل ہے اور (مولانا حکیم

مفتی احمد حسن خان ٹونکی کے زیرِ نگرانی مفتی بھی بن گئے، باقی بچے انگریزی پڑھتے پڑھاتے ہیں)۔

حافظ محمد عبدالکریم:۔ یہ ۱۲۹۷ھ بمطابق ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے تھے۔

حلیہ:۔ درمیانہ قد، آفتابی چہرہ، چوڑی پیشانی، چندیا صاف، موٹے اور توانا تھے، میرے بچپن میں ڈاڑھی میں مہندی لگاتے تھے، مزاج میں حدت تھی، سردی میں بھی کبھی پیشانی پر پسینہ آتا تھا، خوش خوراک و خوش پوشاک تھے، بچپن میں قرآن شریف حفظ کیا پھر حافظ ظفر یاب خاں کو سنایا، انہیں قرآن مجید ایسا پختہ یاد تھا کہ پورا قرآن مجید محراب میں سناتے حفاظ سنتے رہتے کہیں متشابہ نہیں لگتا تھا، قرآن مجید سے انہیں بہت شغف تھا تجوید سے قرآن نہیں پڑھا تھا، لیکن ان کے مخارج ٹھیک تھے اور پڑھتے رہتے تھے، قرآن مجید سے انہیں سیری نہیں ہوتی تھی۔

خوشنویسی:۔ منشی بہاری لال جی اور ان کے چھوٹے بھائی منشی ہیرالال جی سے خوشنویسی سیکھی تھی۔ خط پختہ و پاکیزہ تھا بطور پیشہ اس فن کو کبھی نہیں اپنایا تھا لیکن فن کو قابو میں کیا ہوا تھا، بڑھاپے میں بھی ان کی مشق جاری تھی۔

ابتداء میں ترپولیہ بازار جے پور میں دکان پر سوداگری کرتے تھے، غالباً ۱۹۳۰ء میں دکان چھوڑی اور قرآن مجید کی خدمت میں لگ گئے ۱۹۳۰ء میں مدرسہ تعلیم الاسلام جے پور سے ایسے وابستہ ہوئے کہ آخر دم تک بچوں کو قرآن مجید پڑھاتے اور حفظ کراتے رہے، فارغ اوقات میں گھر پر بھی یہی مشغلہ تھا، خاندان کے بچوں بچیوں کو قرآن اور اردو فارسی پڑھاتے لکھنا سکھاتے تھے، اور خود بھی خوشنویسی کی مشق کرتے رہتے تھے، موصوف نے مدرسہ سے وابستہ رہ کر قرآن مجید کی ایسی خدمت کی کہ کم کسی کو نصیب ہوگی۔

جوانی میں رنگین مزاج تھے ستار بجاتے تھے، اور دل بہلاتے تھے، میں نے بچپن میں انہیں ستار بجاتے دیکھا تھا، لیکن (التائب من الذنب کمن لا ذنب له) جس نے گناہ سے توبہ کی اس نے گویا گناہ کیا ہی نہیں کا مصداق تھے۔ بہت وضع دار بزرگ تھے دوستوں اور ان کی اولاد کے حقوق کی بھی رعایت کرتے تھے ہر ایک کے دکھ درد میں کام آتے، صلہ رحمی ان کا شعار تھا سب قرابت داروں کا خیال رکھتے تھے سب سے ملتے، سب کی خدمت کرتے تھے، ان کی شخصیت بہت بارعب تھی، چھوٹا بڑا ہر ایک ان کا ادب و

لحاظ کرتا۔ قرآن ان کے سینے میں نقش تھا ہر شخص ان کی تعظیم کرتا اور عزیز رکھتا تھا، طبیعت میں ایثار، مزاج میں انکساری تھی، کاموں کا تجربہ تھا بصیرت اچھی تھی ان گوناگوں صفات کی وجہ سے خاندان میں بڑوں کی موجودگی میں سربراہی انہی کو حاصل تھی سچ ہے۔ بزرگی بعقل است نہ بسال۔ غرض خاندان میں ہر مرض کی دوا حافظ جی تھے، ہم انہیں حافظ جی ابا کہتے تھے۔

حافظ جی ابا کے کوئی اولاد نہ تھی ان کی اہلیہ شکور آبی بی اور میری اماں بی حبیبا بی بی دونوں سگی بہنیں تھیں، میری سب سے بڑی ہمشیرہ عائشہ آپا اور میرے سب سے بڑے بھائی مولانا محمد عبدالرشید نعمانی کو انہوں نے گود لیا تھا، عائشہ آپا کی شادی میری ولادت سے بہت پہلے ہوگئی تھی، اس لئے ان کو تو میں نے ان کے مکان میں رہتے نہیں دیکھا، ابا میاں کو چچا جان کہتے سنا ہے ابا میاں کو ان کے شوہر بھی چچا جان کہتے تھے، ممکن ہے اسی نسبت سے وہ بھی ابا میاں کو چچا جان کہتی ہوں مولانا نعمانی کو میں نے حافظ صاحب کے یہاں کھاتے پیتے رہتے سہتے دیکھا ہے لیکن ان کی زبان سے ہمیشہ ابا میاں کو ابا میاں کہتے ہی سنا اور دیکھا ہے۔

حافظ صاحب ہم سب کے مربی تھے ہمیں غصہ کے ذرا تیز لگتے تھے، مگر میں نے انہیں مولانا نعمانی یا بڑے بھائی مولانا عبدالعلیم ندوی صاحب پر کبھی خفا ہوتے نہیں دیکھا یا تو یہ دونوں سدا کے نیک تھے کہ ان کے خلاف مزاج کوئی بات نہیں کرتے تھے یا وہ ازراہ شفقت ومحبت ان سے چشم پوشی کرتے تھے یا ہمارے سامنے ڈانٹنا خلاف مصلحت سمجھتے تھے، یا ان کی طرف سے مطمئن تھے، اللہ انہیں غریق رحمت کرے مجھ پر تو بہت ہی مہربان تھے پاپوش مبارک سے میری تواضع کرتے تھے کیا مجال ہے ابا میاں، اماں بی، یا کوئی چھڑائے یا ان سے دو لفظ کہے یا میری ہمدردی کرے، گھر میں ایک بڑی بوڑھی تھیں جنہیں ہم منی اماں کہتے تھے اور ابا میاں انہیں پھوپھی منی کہتے تھے اللہ انہیں جنت نصیب کرے ان سے نہیں دیکھا جاتا وہ بیٹھی صدا لگاتی کہ بہت پتھر دل ہے اس کے اولاد نہیں دوسروں کی اولاد کا اسے کیا درد ایسا مارے ہے توبہ توبہ کبھی چوک میں جوتے پڑتے تو وہی آکر چھڑاتی تھیں۔ ہائے وہ دوسروں کی اولاد کو کب مارتے تھے وہ تو اپنی اولاد سمجھ کر مارتے تھے ان کے یہاں دوئی کب تھی اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے وہ

میری خیر خواہی کرتے تھے، انہوں نے بہت کوشش کی کہ مجھے قرآن حفظ کرائیں لکھنا پڑھنا سکھائیں تجارت سکھائیں لیکن میں ایسا بد شوق اور نکما، نالائق واقع ہوا تھا کہ پٹتا تھا میری سسکیاں بندھ جاتی تھیں مگر سبق یاد ہی نہیں کرتا تھا سچ ہے۔ **تہی قسمت راچہ سود از رہبر کامل**

اپنی جہالت میں اضافہ ہی کرتا رہا ان کی عنایت ومہربانی کا یہ عالم تھا کہ وہ جب کہیں جاتے مجھے ساتھ لیتے، راستے میں سبق یاد کراتے، میلے ٹھیلے میں لے جاتے، کھیل تماشے دکھاتے، مٹھائی دیتے، دلجوئی ودلداری کرتے طرح طرح سے بہلاتے، وقت ضائع نہ ہونے دیتے، اپنی گرفت میں رکھتے، غیرت دلاتے مگر میری روش میں فرق نہیں آتا، میں نہیں کہہ سکتا کہ انہیں میری اس روش سے کیسا کچھ دکھ پہنچا ہوگا اور میں نے انہیں کتنا آزردہ کیا ہوگا، ان کی برداشت وخیر خواہی دیکھئے، اور میری بدخواہی ملاحظہ فرمائے، میں انہیں دل میں کوستا، اللہ معاف کرے ایسے ناصح ومشفق کو کیا کچھ دل میں کہا ہوگا میری کیفیت بالکل ایسی ہی تھی جیسا قرآن نے کہا ہے۔ (و لکن لا تحبو ن النا صحین) تم خیر خواہوں کو نہیں چاہتے، اللہ تعالیٰ انہیں ان کی دلسوزی وہمدردی کا اپنی شایان شان بدلہ دے وہ کیسے شفیق ومحسن تھے اور ہم کیسے نالائق و ذلیل۔ **اللھم اغفر له و وسع مدخله و ار حمه ،و اجز ہ عنا خیر الجزاء.**

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ انہوں نے میری نالائقی وبدشوقی کو دیکھ کر معلوم نہیں بارگاہ الٰہی میں میرے لئے کس درد واخلاص ودلجمعی سے دعائیں کی ہونگی کہ میں اس لائق ہوسکا کہ آج ان کے متعلق دو لفظ لکھ سکا ورنہ اس کے سرچشمہ وفیض سے کتنے بندگان خدا سیراب ہوئے یہ سعادت کس کے حصہ میں آئی۔ **اللھم واعف عنه و ارفع در جته ،و اجعل الفر دوس منزله۔**

میں جب ۱۹۴۲ء میں حیدرآباد دکن سے آیا، منشی کیا اور عربی پڑھنے لگا تو ایسے پیار سے مجھے اچھے میاں کہہ کر یاد فرماتے کہ دل پسیجنے لگتا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی مراد برآئی جو چاہتے تھے وہ پالیا باتیں اس انداز سے کرتے جیسے کوئی اپنے بڑے سے کرتا ہے، میں ان کے اخلاق کریمانہ کو دیکھ کر دل میں پشیمان ہوتا اللہ اکبر کیا اخلاص وللّٰہیت تھی۔

بہت نفاست پسند تھے ان کا کمرہ اور بستر نہایت صاف اور ستھرا رہتا ہر چیز قرینہ سے جگہ پر رکھی ہوتی

تھی کمرے کی دیواروں پر طغرے آویزاں تھے قرآنی آیات وسبق آموز وعبرت انگیز اشعار سے جو نامور خوشنویسوں کے لکھے ہوئے تھے، کمرہ سجا ہوا تھا یہ چیزیں ہر آنے والے کے قلب ونظر کو اپنی طرف کھینچتی تھیں، سرہانے گھنٹہ لٹکا ہوا تھا اس کے پاس ایک وصلی پر ان کے ہاتھ سے یا کسی خوشنویس کے قلم سے نہایت خوش خط حسب ذیل شعر لکھا ہوا تھا۔

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی　　　گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹا دی

ان کا ذکر بھی مولوی احترام الدین شاغل عثانی مرحوم نے اپنی کتاب ''صحیفہ خوشنویساں میں حسب ذیل الفاظ میں کیا۔

حافظ عبدالکریم :۔ جے پور وطن تھا۔ بساط خانہ کی تجارت کرتے تھے، منشی احسان الٰہی نارنولی کے شاگرد تھے اور عبدالرحیم خاطر کے برادر کلاں، صرف خط نستعلیق لکھتے تھے، خفی وجلی دونوں کی یکساں صفائی وشان تھی۔ جے پور میں انتقال ہوا۔

وفات :۔ آخری وقت برادر محترم آغا بھائی سورۂ یٰسین سنا رہے تھے کہ ایک جگہ متشابہ لگا تو دوبارہ پڑھنے کا اشارہ کیا اور جب صحیح پڑھا بس آخری ہچکی آئی اور جان جان آفرین کے سپرد کر دی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مادۂ تاریخ وفات

حافظ فرقان مجید محمد عبدالکریم (۱۹۴۶ء) علامہ روزگار حافظ عبدالکریم (۱۹۴۶ء)

حافظ عبدالکریم (۱۳۶۶ھ) (۱۹۴۶ء)

محمد عبدالرحیم خاطر جیپوری

نام ونسب:۔ محمد عبدالرحیم بن محمد بخش بن بلاقی بن چراغ محمد بن ھمت رحمھم اللہ تعالیٰ۔

ولادت:۔ موصوف نے تقریباً اٹھتر ۷۸ سال کی عمر میں وفات پائی تھی اس حساب سے سال ولادت ۱۲۹۵ھ بمطابق ۱۸۷۸ء قرار پاتا ہے۔

حلیہ:۔ گول چہرہ، دراز قد، کشادہ پیشانی، کشادہ سینہ، چندیا پر تھوڑے تھوڑے بال، موٹی آنکھیں بھری اور لمبی ڈاڑھی گلابی رو اور ڈیل ڈول اچھا تھا، بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے، ماں باپ کے فرمانبردار اور لاڈلے تھے۔

تعلیم وتربیت:۔ ابا میاں نے حافظ ظفریاب خان صاحب رام پوریؒ سے قرآن شریف پڑھا تھا اور منشی تک مہاراجہ کالج جے پور میں تعلیم حاصل کی، اس کالج سے فارسی میں منشی کا امتحان بھی پاس کیا تھا۔(۱)

ابا میاں کو اردو فارسی دونوں زبانوں میں اچھی دستگاہ حاصل تھی۔ زبان وادب کا ذوق ان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا تھا، ان کے ادبی ذوق سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اردو فارسی ادب کا گہرا مطالعہ کیا تھا، عربی کی تحصیل کسی مدرسہ میں رہ کر نہیں کی تھی، انگریزی اور ہندی کی عبارت بھی لکھتے تھے جو ان کی زبان وادب سے طبعی مناسبت محنت وذہانت کی روشن دلیل ہے حافظہ ویادداشت اچھی تھی جو پڑھتے یاد رہتا تھا۔

---

(۱) شمس العلماء مولانا عبدالرحمٰن جے پوری:۔ صاحب مرأۃ الشعراء اور مترجم مقدمہ ابن خلدون جو دہلی کے مشن کالج میں عربی وفارسی زبان کے پروفیسر تھے اس میں ۲۰ برس پڑھایا تھا کراچی میں ۱۹۵۳ء میں انتقال کیا۔ یہ ابا میاں کے مہاراجہ کالج جے پور میں ہمسبق تھے۔ میں بھی مولانا نعمانیؒ کے ساتھ ان سے ملا تھا دراز قد وجیہہ خوبصورت وخوب سیرت تھے اردو وفارسی کے ادیب وشاعر اور ادب عربی کے بالغ نظر عالم تھے جے پور کے وہی ایسے عالم تھے جنہیں انگریزی سرکار نے شمس العلماء کے خطاب سے نوازا تھا۔

تلاوت قرآن وادعیہ ماثورہ:۔ انہوں نے قرآن مجید اگرچہ تجوید سے نہیں پڑھا تھا لیکن قرآن صاف اور خوش الحانی سے پڑھتے تھے اور مخارج بالکل درست تھے، ان کی قرأت میں درد وکیف اور دلکشی وجاذبیت تھی، وہ تلاوت شاہ عبدالقادر وشاہ رفیع الدین دہلوی کے اردو ترجمہ والے مصحف میں کرتے تھے، نماز میں جو رکوع اور سورتیں پڑھتے تھے ان کے معانی ومطالب سمجھتے تھے، اس لئے جب پڑھتے ان پر کیفیت طاری ہوجاتی تھی جس سے سننے والا بھی لطف اٹھاتا اور متأثر ہوتا تھا، وہ پارہ تبارک الذی کے علاوہ سورۃ التغابن، سورۃ یٰسین، سورۃ الطارق، سورۃ الحشر، سورۃ الصّف، سورۃ المنافقون، سورۃ الجمعہ، سورۃ یوسف، سورۃ لقمان وسورۃ الفتح عموماً نماز میں پڑھتے تھے، انہیں حدیثیں بکثرت یاد تھیں، حدیثوں کے سینکڑوں چھوٹے چھوٹے جملے انہیں زبانی یاد تھے، اسی طرح ادعیہ ماثورہ کا بیشتر حصہ انہیں یاد تھا۔ الحزب المقبول ازبر تھی۔ نماز کے بعد دعاؤں میں ادعیہ ماثورہ پڑھتے تو بلند آواز سے پڑھتے تاکہ بچوں کے کان ان دعاؤں سے مانوس ہوجائیں، اور یہ دعائیں انہیں بآسانی یاد ہوسکیں، کھانا کھانے کے بعد کی دعا، مسجد میں داخل ہونے اس سے نکلتے وقت کی دعا، سوتے وقت کی دعا ہمیں ان کے زور سے پڑھنے سے یاد ہوئی تھیں۔

شعروشاعری:۔ طبیعت موزوں پائی تھی، شعروادب سے طبعی مناسبت تھی، زبان وادب کا ذوق پاکیزہ وبلند تھا، اردو فارسی کے نامور شعراء کے ہزاروں شعر انہیں زبانی یاد تھے، برمحل پڑھتے تھے، گاہ بگاہ خود بھی شعر کہتے اور خاطر تخلص کرتے تھے، چنانچہ شاغل عثمانی نے موصوف کا تذکرہ صحیفۂ خوشنویساں میں کیا ہے نمونۂ کلام ہدیہ ناظرین ہے۔

حمد

حمد کے لائق تو ہی کرتا رہے — تو نے ہی پیدا کیا سنسار ہے

کرتا ہے تو عیب پوشی خلق کی — نام تیرا ساتر وستار ہے

رحم کرتا ہے تو ہی اور تو ہی قہر — ہے تو ہی رحمان، تو ہی قہار ہے

عمر گذری ہے گنہ کرتے مجھے
میں ہوں عاصی اور تو غفار ہے
ہوگی طے کس طرح راہِ پُل صراط
سر پہ عصیاں کا بہت سا بار ہے
کچھ نہ کی نیکی اے خاطر جزبدی
اس کی رحمت پر ہی بیڑا پار ہے

(مطبوعہ غنچۂ نو بہار مطبع ابوالعلائی، آگرہ۔ ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء/۱۹۶۱ بکرمی ہندی۔ ص ۲۸،۲۹)

نعت

سلامُ اللہ وصلّی اللہ اے فیضانِ ربّانی
تری صورت سے ظاہر ہے مکرم رحم و رحمانی
ترے دربار اقدس میں ہر اک کو باریابی تھی
نہ پہرہ تھا، نہ چوکی تھی، نہ حاجب تھا، نہ دربانی
تری وہ شانِ ارفع ہے کہ جبریلِؑ امیں جیسے
کیا کرتے تھے آ آ کر خوشامد سے مگس رانی
خدا توفیق دے تم کو تو اے خاطر کبھی تم بھی
شریکِ بزمِ اقدس ہو کے کرلو قلب نورانی

(مطبوعہ ''مظہر معرفت''، طبع شدہ ۱۹۳۵ء بحوالہ تذکرۂ شعرائے جے پور۔ ص ۳۶ مرتبہ احترام الدین شاغل)

نعت

ملا ہے تجھ کو پٹہّ دوجہاں کی پاسبانی کا
بجاتا ہے دو عالم ڈنکہ تیری شہجہانی کا
گرے بے ہوش ہو کر طور پر حضرت کلیم اللہ
کھلا پھر بھی نہ کچھ عقدہ انہیں رازِ نہانی کا
برہمن ہوگیا مومن، شجر آیا، حجر بولا
بیاں کیا ہو شہا مجھ سے تری مُعجز بیانی کا
ہوا منظور جب شاہِ دوعالم کو وصالِ حق
نہ رہنا پھر پسند آیا انہیں اس دارِ فانی کا
یہ نعتِ احمد مرسل ہے اے خاطر، ادب سے لکھ
ملے گا حشر میں ثمرہ تجھے اس جاں فشانی کا

(مطبوعہ غنچۂ نور بہار مطبع ابوالعلائی، آگرہ۔ ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴/۱۹۶۱، بکرمی ہندی۔ ص ۲۸،۲۹)

(مطبوعہ غنچۂ نور بہار مطبع ابوالعلائی، آگرہ۔۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴/۱۹۶۱، بکرمی ہندی۔ص ۲۸، ۲۹)

نعت بحضور سرور کائنات ﷺ (بزبان فارسی)

اے شہنشاہ جمال واے کمالِ دلبری
وے شہِ خوبانِ عالم، سرورِ پیغمبری

ہر دو عالم جاں نثارِ نرگس شہلائے تو
نرگسِ بیمار کے آرد بچشمت ہمسری

خادمِ درگاہِ والائے تو جبریلؑ امین
عاشقِ شیدائے تو جنّ و بشر حوُرو پری

جلوۂ معراج تو اندر مکان ولا مکاں
از ملک ہم بہتری از انبیاء شُد برتری

حضرتِ موسیٰ کلیم اللہ شُد برکوہ طُور
تو کلیم اللہ شدی بر عرشِ خاصِ دادری

قم باذنی و انا الحق خود ازیں جا گفتہ اند
دردلِ منصور شمسی کردۂ جلوہ گری

ایں تمنا دار خاطر از خدائے لا یزال
بہر خلاقِ جہاں برسُوئے عاصی بنگری

آخری نظم

اے مری اردو زبان اللہ رے تیری یہ دھوم
کابل وز ابل مدینہ اور مکہ شام و روم

جرمن و امریکہ جاپان وفرانس واندلس
سب جگہ پر بولتے ہیں تا بہ لندن بالعموم

قائدملت(۱) نے تیرا خودکیا تھا انتخاب
جانتے تھے گو زبانیں اور بھی عالی جناب

سندھی پنجابی بلوچی بنگلہ وانگلش بھی سب
سب کی سب موجود تھیں پیش نظر زیر نصاب

تیرے سر سہرا بندھا اور تو ہی سرکاری ہوئی
اوج پر اردو ترے بنگالی اب حاسد ہوئی

رشک آتا ہے اسے اب ہائے میں سوکن بنوں
کیونکہ یہ تو سب جگہ جاری وساری ہوئی

شور وغوغا اب مچاؤ تاکہ ہووے کچھ فساد
ہے یہی بنیاد بنگلہ دیش کی اے خوش نہاد

یہ اشعار بالکل آخری ایام کے ہیں۔ جب کہ بنگالی اور اردو زبان کے درمیان تنازعہ پیدا ہوگیا تھا۔

---

(۱) قائدملت لیاقت علی خان شہید مرحوم وزیر اعظم پاکستان۔

خوشنویسی:۔ نامور خوشنویس منشی ہیرالال مونس بہار گو آنجہانی سے سیکھی تھی، خط پاکیزہ و پختہ تھا نوک پلک، کشش اور دائرے دیکھنے کے لائق تھے، اس فن کو شوقیہ سیکھا تھا، پھر اسے بھی کسب معاش کا ذریعہ بنایا، فن خوشنویسی میں انہیں کمال حاصل تھا، خط نسخ و نستعلیق کے استاد تھے، خط غبار و شفیعہ کیا ہر نوع کا خط لکھنے پر قادر تھے، انگریزی ہندی لکھنے پر بھی پوری قدرت حاصل تھی، جلی و خفی دونوں خط بلا تکلف خوب لکھتے تھے، ان کے نوشتے پر کسی شاعر کا حسب ذیل شعر صادق آتا ہے۔

قابل دید اس کی ہے ندرت　　　　نظر آتی خدا کی ہے قدرت

ان کے قطعات و وصلیاں دیکھئے مرصع نگاری کا اعلیٰ نمونہ ہیں، حرفوں کی ساخت اور ان کے جوڑ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے جواہر جڑے ہوئے ہیں۔

کاتب نرا نہیں ہے مرصع نگار ہے　　　　حرفوں کو کیا کہوں جو جواھر جڑے نہیں

وصلیوں پر اردو فارسی کے عبرت انگیز و سبق آموز اشعار لکھتے تھے جن سے ان کے پاکیزہ مذاق، للّٰہیت و دین سے شیفتگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جس میں بعض بطور گلے از گلزار ے ۔ مرقع رحیمی میں ملاحظہ فرمائیں۔

موصوف نے خوشنویسی کے فن میں ایسی بصیرت پیدا کی تھی کہ نامور خوشنویسوں اور ماہر خطاطوں کے قطعوں اور وصلیوں کو ان کے دستخطوں کے بغیر ایک نظر دیکھتے ہی طرز خط سے پہچانتے اور اساتذہ فن کے نوشتوں کے مابین فرق و امتیاز کو بتاتے تھے، ان کے طرز نگارش و خصوصیات قلم کو خوب جانتے تھے فرماتے تھے یہ عبدالرشید دیلمی کا قلم ہے یہ میر پنجہ کش کا لکھا ہوا ہے۔ یہ آغا مرزا کی تحریر ہے، یہ اعجاز رقم کا شاہکار ہے، یہ پروین رقم کا نوشتہ ہے۔

ایسے ارباب بصیرت اور اساتذۂ فن متحدہ ہندوستان میں معدودے چند تھے، جے پور میں ان کا اس فن میں کوئی ہمسر نہ تھا، حیدر آباد دکن میں ان کا سارا وقت دفتر میں پورا ہو جاتا تھا، فن کے مظاہرہ کا وہاں کوئی موقعہ نہ تھا، ساری عمر جے پور میں گوشۂ گمنامی میں بسر ہوئی اس لئے ان کی شہرت پورے ہندوستان

میں نہ ہوسکی۔

شادی:۔ والدین نے ان کی شادی ان کے بڑے بھائی حافظ محمد عبدالکریم صاحب کے ساتھ کی تھی دو حقیقی بھائیوں کو دو حقیقی بہنیں شکور النبی بی اور حبیب النبی بی بیاہی گئیں۔

دکان:۔ غالباً ۱۹۰۰ء میں کسب معاش کی خاطر ترپولیہ بازار میں نواب فیاض علی خان صاحب کی حویلی کے نیچے بساط خانہ کی ایک دکان کی تھی، یہ دکان کیا تھی جے پور کی نامور شخصیات کی بیٹھک اور چھوٹی موٹی علمی اکیڈمی تھی، یہاں سوداگری و کتابت کی جاتی اور خوشنویسی سکھائی جاتی تھی، علمی چرچا رہتا تھا سہ پہر کو یہاں علماء، شعراء، صوفیا اور ہندوستان کے مشاہیر اہل علم جن کا ورود جے پور میں ہوتا آتے تو علمی گفتگو شعر و سخن کی باتیں ہوتیں لطیفے بیان ہوتے تاریخی واقعات معرض بحث میں آتے تھے۔ جے پور میں یہی اس دکان کی وہ خصوصیات تھیں جن میں یہ سب سے ممتاز و یکتا تھی۔

میں نے بچپن میں صوفی ہدایت علی نقشبندی رامپوری مولانا قدیر بخش بدایونی صدر مدرس مدرسہ تعلیم الاسلام المتوفی ۱۹۵۲ء (۱) مولانا بدرالدین سہسوانی داماد مولانا شبیر احمد سہسوانی، حافظ حمید اللہ پیش امام جامع مسجد جے پور حامد حسن خان ان کے بڑے بھائی حامی الدین خاں رامپوری، مولانا حیدر حسن خان شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ (۲) برادر خورد مولانا محمود حسن خان ٹونکی صاحب معجم المصنفین، سید طلحہ پروفیسر اورئنٹیل کالج لاہور اور ہندوستان کے نامور لغوی ادیب مولانا ابو عبداللہ محمد سورتی المتوفی ۱۹۴۴ء جیسی نادرۂ روزگار ہستیوں اور پاکیزہ نفوس کو گفتگو کرتے دیکھا اور بھی شخصیات تھیں جن کی صورتیں یاد ہیں نام حافظہ میں محفوظ نہیں۔

ایک زمانے میں اس دکان پر اہلحدیثوں نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے، ابا میاں دیندار و خداترس انسان تھے، حافظ یوسف مرحوم صاحب حقیقۃ الفقہ آتے انہیں حدیثیں سناتے دکھاتے کہتے یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے اسے مسلم نے نقل کیا ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا مسلک اس حدیث کے سراسر خلاف ہے، انہیں حدیثیں سننے کے بعد مجال سخن نہ تھی سر تسلیم خم کرتے اور عمل پیرا ہوجاتے ان کی یہ کیفیت تھی۔

اگر بخشے زہے قسمت، نہ بخشے تو شکایت کیا

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔

بچپن میں ابا میاں کو رفع یدین کرتے اور بلند آواز سے آمین کہتے دیکھا تھا، یہ اسی کا اثر تھا، اس دور میں ان پر اہلحدیثوں کا رنگ چڑھا ہوا تھا چنانچہ حافظ یوسف کی کتاب حقیقۃ الفقہ کی کاپی ابا میاںؒ نے لکھی تھی، اس کے آخر میں ایک قطعہ میں اس کی تاریخ طبع چھپی ہے فرماتے ہیں۔

اس سے ان کی حدیث وسنت سے گرویدگی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے بھائی جان (مولانا نعمانیؒ) نے دوران تعلیم دکان پر جب اہل حدیث کے دلائل کو سنا اور ابا میاں کو حنفیہ کا مسلک جن احادیث وآثار پر مبنی تھا، ان سے آگاہ کیا، انہوں نے حافظ یوسف کو وہ حدیثیں دکھائیں بتائیں دونوں طرف سے احادیث کا تبادلہ ہونے لگا جس طرح شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے جواب نے ان کے بھتیجے شاہ اسماعیل شہیدؒ کو لا جواب کیا تھا کہ ایک مردہ سنت پر عمل کرنے سے سو شہیدوں کا اجر اس وقت ملتا ہے جب اس کے مقابلے میں کوئی دوسری سنت موجود نہ ہو یہاں دوسری سنت آہستہ آمین کہنے اور رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرنے کی موجود ہے یہ بات جب ابا میاں کے علم میں آئی، انہوں نے دونوں باتیں چھوڑ دیں۔(۱)

امیر دیر وحرم سے الگ جو جاتے ہیں ۔۔۔ وہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بناتے ہیں

یہ دکان جس کی حیثیت ایک مجلس علمی (Academi) کی تھی اس نے مولانا نعمانیؒ کو مناظرانہ ادب کے مطالعہ پر مائل کیا انہوں نے احناف کی کتابوں کو غائر نظر سے دیکھا ان کی بالغ نظری اور تفقہ کے قائل ہوگئے اسی تعلق سے وہ اپنے آپ کو نعمانی لکھتے ہیں۔

---

(۱) اہل حدیث اور ظاہریہ میں فقہی بصیرت و گہرائی نہیں ہے اس لئے یہ (امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ) کے مسلک سے گریز کرتے اور شاذ حدیثوں پر عمل کر کے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بناتے ہیں۔

یہ دکان ہم خرما وٴ ہم ثواب کا مصداق تھی اس سے گھر کا خرچ چلتا اوران کے علمی ذوق کی تسکین ہوتی تھی اس لئے انہوں نے ۱۹۴۲ء میں دکان اس وقت چھوڑی جب ان کی آنکھیں جواب دے رہی تھیں اور اس پر بیٹھنے والا کوئی نہیں رہا تھا، یہ دکان جے پور میں بیالیس ۴۲ برس تک اہل علم کی بیٹھک رہی اور یہاں علم کا چراغ روشن رہا۔

مطبع رحیمی :۔ ابا میاں کے استاد منشی ہیرا لال جی نے غالباً ۱۹۰۰ء میں ایک پریس اپنے نام پر (ہیرالال پریس) ترپولیہ بازار میں قائم کیا تھا۔ جس سے ہندی اور فارسی کی متعدد کتابیں شائع کی گئی تھیں، اُپنشداور داراشکوہ کی 'سِرِ اکبر' اس پریس میں اشاعت پذیر ہوئی تھیں، منشی ہیرالال جی کے مرنے کے بعد ۱۹۲۱ء میں اس پریس کو ابا میاں نے خریدا، اوراس کا نام رحیمی پریس (مطبع رحیمی) رکھا یہ ترپولیہ بازار میں نواب صاحب کی حویلی کے سامنے واقع تھا، اردو کی بعض کتابیں اس پریس سے شائع کی گئی تھیں، مرأۃ الانساب، موٴلفہ ضیاء الدین امروہوی جس کی کاپی بھی ابا میاں نے لکھی تھی، ۱۹۳۵ء میں اس پریس میں پندرہ ہزار کی تعداد میں سفید اور حنائی کاغذ پر طبع کی گئی تھی، میں نے بچپن میں وہ پتھر دکان اور گھر پر دیکھے تھے۔

اس دور میں جن پریسوں نے جے پور میں اردو کی خدمت کی ان میں رحیمی پریس کی خدمات نا قابل فراموش ہیں، انہی وجوہ سے شاغل جے پوری نے اس پریس کا تذکرہ اپنی کتاب ''صحیفۂ خوشنویساں'' میں کیا ہے۔

دفتر معجم المصنفین سے وابستگی :۔ ۱۹۳۸ء میں جب مولانا محمود حسن خان ٹونکی (۱) کی تالیف معجم المصنفین (جو عربی زبان میں ان علماء اسلام کے تذکرہ وتراجم پر مشتمل ہے جن سے کوئی تصنیف وتالیف یادگار رہے) کی تدوین وترتیب نو کے لئے حیدرآباد دکن میں دائرۃ المعارف العثمانیہ کے زیر انتظام دفتر کا قیام عمل میں آیا اس میں مولانا نعمانی اور ابا میاںؒ کا تقرر بھی ہوا موصوف نے کم وبیش چھ ۶ برس یہاں کام کیا

---

(۱) ولادت تقریباً ۱۲۷۸ھ۔ انتقال ۱۳۶۶ء یہ مولانا حیدر حسن خان صاحب۔ سے چار برس بڑے تھے۔

اور ۱۹۴۴ء میں جے پور آ گئے۔

اخلاق وعادات:۔ اخلاق وعادات ایسی تھیں کہ ہر شخص ان سے مل کر خوش ہوتا کبھی کسی کو ان سے شاکی نہیں پایا۔ جو احباب واہل علم دکان پر آتے نہایت خندہ پیشانی سے انہیں خوش آمدید کہتے خوش اخلاقی و انکساری سے باتیں کرتے خود بھی ہنستے اور ان کو بھی ہنساتے تھے۔

شفقت ومحبت:۔ وہ بہت نرم دل ونہایت شفیق تھے اولاد پر بہت شفقت فرماتے تھے آیت شریفہ

یاایھاالذین آمنو اان من ازواجکم واولادکم عدوالکم فاحذروھم وان تعفوا وتصفحو وتغفروا فا ن الله غفور الرحیم۔ (آیت نمبر ۲۴ سورۃ التغابن)	اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں، ان سے ہوشیار رہو، اور تم عفو ودرگذر سے کام لو اور معاف کر دو تو اللہ غفور رحیم تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک آزمائش ہیں اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بڑا اجر ہے۔

اس آیت پر عمل کرتے تھے، بڑے سے بڑا نقصان کرتے کچھ نہ کہتے، خفا نہیں ہوتے ہاتھ لگانا جانتے نہ تھے مارنا پیٹنا آتا نہ تھا۔ بہت پیار محبت سے باتیں کرتے، اور ساتھ بٹھا کر کھلاتے تھے، ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانے میں مزہ آتا تھا، ادلے کی بوٹیاں، گودے والی نلیاں، گردے اور سینے کی کڑیاں مجھے بہت پسند تھیں۔ فرماتے بیٹے کھاؤ روٹیوں میں گھی لگواتے، دکان سے تشریف لاتے، مجھے کندھوں پر بیٹھا کر لاتے، راستے سے مٹھائی کے دونے دلواتے جن سے صبح کا ہمارا ناشتہ ہوتا تھا۔

اللّٰھم الرحمھما کما ر بیانی صغیر ا (سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۲۴)

ترجمہ:۔ پروردگار عالم ان پر رحم فرما، جس طرح انہوں نے رحمت وشفقت کے ساتھ مجھے پالا تھا۔

صبر وشکر اور رضا بالقضاء:۔ وہ بہت ہی صابر وشاکر تھے، جوان بیٹی ہاجرہ کا انتقال ہوا بعض لڑکے اور لڑکیاں بچپن میں مر گئیں، صبر کیا، اماں بی سے سنا تھا کہ پیارے میاں کا جب انتقال ہوا، بہت دل

گرفتہ ہوئے اور دعا کی ! بارالہی بہتر نعم البدل عطا فرما۔اس کے بعد میں پیدا ہوا۔آنکھیں جیسی نعمت چھن گئی، پڑھنے لکھنے سے جاتے رہے، دنیا تاریک ہوگئی، گھر پکڑلیا کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں آیا، میری والدہ ماجدہ جوان کا ہر طرح خیال رکھتی تھیں، جب انتقال کر گئیں، دم نہ مارا۔ان کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا اس کی رضا پر راضی اور ہر حال میں شاکر رہے، یہی شان عبدیت ہے، یہ اونچا مقام ہے۔

تحمل و برداشت :۔ تحمل و برداشت کے پیکر تھے، خلاف مزاج بات پر انسان کو جلد غصہ آجا تا ہے، بعض اوقات اپنے آپ کو قابو میں رکھنا مشکل ہوتا ہے، عزت نفس ہر ایک کو عزیز ہوتی ہے، اس پر جب بن آتی ہے انسان جان کی پرواہیں کرتا، برسر عام مجمع میں کسی شریف کو برا بھلا کہنا گالیاں دینا اور اس کا سب کچھ سننا کچھ نہ کہنا، انتقام کی قدرت کے باوجود خاموش رہنا اور اپنوں کو بھی خاموش رہنے کی تاکید کرنا بہت برداشت ہے، ایک بار میں نے دیکھا کہ ان کے عزیز اور چھوٹے نے انہیں گالیاں دیں، انہوں نے اس کے ارمان نکلنے دیئے، یہ انہی کا ظرف تھا۔

جگر میں چٹکیاں لیتے ہیں وہ دل کو مسلتے ہیں

جو کچھ کہئے تو کہتے ہیں میرے ارماں نکلتے ہیں

ایک مرتبہ غالباً ۱۹۴۶ء میں مظفر میاں انہیں بتائے بغیر میرے پاس دیوبند آگئے جواں سال جگر گوشہ جو ہر وقت آنکھوں کے سامنے رہتا ہو اس کا گھر میں اطلاع کیئے بغیر پردیس چلے جانا کیا کچھ ماں باپ کی پریشانی، رنج و ناراضگی کا موجب ہوگا اس امر کا اندازہ ایک باپ ہی کرسکتا ہے۔

اس نے جب مجھے یہ بات بتائی، میں نے اسے جلدی واپس بھیجا، یہ جب ان کے پاس پہنچا اس سے یہی کہا، شاباش بیٹا شاباش۔ان کا یہ طنز بھی بہت شفقت آمیز تھا، مقصد یہ تھا، ہائے کوئی ایسا کام کرتا ہے، طنز بہت لطیف کرتے تھے، جوشی لطیف سے بہرہ ور ہوتا ہے وہی اس سے لطف اٹھاتا ہے، یہ اسلوب شفقت ومحبت کی وجہ سے اختیار کیا تھا کچھ اور کہتے تو اس کا دل آزردہ ہوتا اور اسے آزردہ پاتے خود بھی آزردہ ہوتے، خاموش ہوگئے۔

جگر کو داغ، کلیجے کو زخم، دل کو ملال　　　جناب عشق نے بھیجے ہیں ارمغاں کیا کیا

اماں بی:۔ بہت بھولی بھالی، سیدھی سادھی خاتون تھیں، ہیرا پھیری، چالاکی جانتی نہ تھیں ابا میاں کے خلاف مزاج کوئی بات ہو جاتی، ان پر خفا ہو جاتے تھے، میاں بیوی میں اس قسم کی نوک جھونک ہو جاتی ہے۔

ایثار و سخاوت:۔ طبیعت میں سخاوت تھی کوئی فقیر دکان پر آتا کہتا اللہ کے نام پر دو جو ہوتا دیتے، ورنہ معذرت کرتے، مجھے یاد ہے، ایک مرتبہ گھر میں آٹا نہ تھا دکان سے واپسی پر آٹا گھر لانا تھا تا کہ گھر میں چولھا جلے، اور روٹی پک سکیں، راستہ میں فقیر ملا، اس نے کہا، میں فاقہ سے ہوں، اللہ کے نام پر دو، جو پاس تھا اسے دے دیا اور خالی ہاتھ گھر آ گئے۔

و یو ثر و ن علی انفسھم　　　اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی
و لو کا ن بھم خصاصہ (سورۃ الحشر آیت نمبر ۹)　جگہ خود محتاج ہوں۔

دکان سے جو لاتے گھر میں دیتے یا راہ خدا میں، پاس کچھ نہ رکھتے تھے، اللہ پر توکل تھا۔ فرماتے تھے جس نے صبح دیا وہ شام کو بھی دے گا پھر حدیث پڑھتے۔

تغدو اخما صا و تر و ح بطانا　　　پرندے صبح خالی پیٹ بھوکے نکلتے ہیں اور شام پیٹ بھرے لوٹ جاتے ہیں۔

خودداری و بے نیازی:۔ طبیعت میں خودداری و غیرت اور مزاج میں بے نیازی تھی، زندگی میں انہیں اولاد سے کوئی مالی فائدہ نہیں ہوا، نہ انہوں نے کبھی کسی سے کوئی توقع رکھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسب ذیل دعا ان کے ورد زبان رہتی تھی۔

اللّھم اکفنی بحلالک عن حرامک　　　اے اللہ حرام کے بدلے تو مجھے بقدر حاجت حلال
و اغنی بفضلک عمن سو اک　　　روزی عطا فرما اور اپنے فضل سے اپنے ماسواسے بے نیاز کر۔

انہوں نے خوب کمایا اور خرچ کیا ان کے جب تک ہاتھ پاؤں چلتے رہے قرض لیا تو ادا بھی کیا

جب گھر بیٹھ گئے پھر اپنی اولاد سے بھی کسی کام کے لئے نہیں کہا نہ کسی قسم کی خدمت لی، ان کا اصول ہی یہ تھا۔۔۔۔ دیکھو اپنی بات اپنے ہاتھ ہے۔ انہوں نے اپنے اخلاص وصدق نیت کو کبھی مجروح نہیں کیا۔ ان اجری الا علی اللہ اللہ ہی اجر دے گا پر نظر رکھی۔

وعدہ کی پاسداری و پابندی:۔ وعدہ کرتے نبھاتے، وقت دیتے پابندی کرتے، کوئی کچھ لکھواتا جو وقت کسی کو دیتے اس کا کام وقت سے پہلے تیار کر کے رکھتے، وہ وعدہ خلافی سے بچتے تھے، کسی کو شکایت کا موقعہ نہیں دیتے کسی وجہ سے تاخیر ہوتی، شرمسار ہوتے، وجہ بتاتے، معذرت کرتے تھے۔

قرض کی ادائیگی اور قرض داروں سے خاموشی:۔ تاجروں میں لین دین ہوتا ہے تجارت اس کے بغیر نہیں ہوتی ابا میاںؒ کا ابتدائی دور نہایت خوشحالی کا دور تھا، پریس تھا، دکان تھی، نوکر چاکر تھے، آمدنی خوب تھی، بیٹیوں کی شادی دھوم دھام سے کی دولت ٹھکانے لگی، پریس چھوٹا، دکان اور کتابت سے گھر کا خرچ چلنے لگا، سیر چشم تھے، خرچ خوب کرتے تھے، جو سامان لیجاتا روپے دینے میں ہیرا پھیری کرتا نوبت قرض کی آگئی، ادائیگی جب ہو جب قرض داردیں وہ لے لوٹ ہو گئے جن سے لیا تھا ان کی ادائیگی رہ گئی، دکان میں سامان گھٹنے لگا، آمدنی کم اور تنگ دستی بڑھنے لگی ۱۹۳۸ء میں مولانا محمود حسن خان ٹونکیؒ کی معجم المصنفین کی تدوین وترتیب نو کے سلسلہ میں دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن گئے، تو مجھے دکان پر بٹھایا گیا، میں لاابالی، نہ علم نہ تجربہ نہ ہر وقت کسی بڑے کی سر پر موجودگی، حافظ صاحبؒ نگرانی کرتے تھے، لیکن ان کے اوقات مقرر تھے مجھے کھلی چھٹی مل گئی اس طرح دکان کی بربادی میں جو کمی رہ گئی تھی وہ میرے ہاتھوں پوری ہوئی، حیدرآباد میں سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ہر ایک کا قرض ادا کیا جن پر قرض تھا انہیں دو چار بار یاددہانی کرائی، انہوں نے کچھ اثر نہ لیا، فرمایا ان کی نیت ادا کرنے کی نہیں، خاموشی اختیار کی تقاضا کرنا بھی چھوڑ دیا، اللہ مغفرت کرے کھا کر ہی مر گئے۔

تصوف وسلوک:۔ غالباً ۱۹۰۸ء میں سلسلہ نیازیہ نظامیہ چشتیہ میں مولانا محمد ابراہیم روحی ٹونکیؒ المتوفی ۱۳۵۲ھ بمطابق ۱۹۳٦ء سے بیعت ہوئے انہی سے منازل سلوک طے کئے اور خرقہ خلافت سے سرفراز

ہوئے ،(ا) انکساری وفروتنی اور اخفاء حال طبیعت میں بہت تھا کسی کو یہ بھی نہیں بتاتے تھے نہ وہ کسی سے بیعت ہیں یا کسی صاحب نسبت بزرگ کے خلیفہ ومجاز ہیں نہ کسی کو بیعت کرتے تھے ،فرماتے تھے ،تصوف کا حاصل ،احکام شریعت کی بجا آوری کرتے رہنا اور کسی لمحہ یادالٰہی سے غافل نہ رہنا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بات کہنا آسان ہے اس پر عمل کرنا اسے نبھانا آسان نہیں ،وہ اپنے معمولات کے بہت پابند تھے ،نماز پنجگانہ مسجد میں جماعت سے ادا کرتے ،جامع مسجد جاتے اور کوئی کام نہ ہوتا تو دیر سے آتے تھے ،نماز بہت اطمینان سے پڑھتے تعدیل ارکان کا خیال رکھتے تھے ،جے پور میں دکان پر ہوتے تو ظہر وعصر نواب صاحب کی حویلی کی مسجد میں پڑھتے مغرب کا وقت راستے میں ہو جاتا تو کسی بھی مسجد میں پڑھ لیتے ،ورنہ عموماً مغرب عشاء اور فجر منھیاروں کی مسجد میں ادا کرتے تھے ،تہجد کا بہت اہتمام فرماتے تھے ،رات میں جلد سوتے اور آخر شب میں جلد اٹھتے تھے۔

حیدرآباد دکن میں صوفی صاحب سے شہرت کی وجہ: ۔اللہ کی شان ہے انہوں نے جتنا اخفاء حال چاہا اتنی ہی ان کی شہرت وقبولیت ہوئی ۱۹۴۰ء میں جب میں ابامیاںؒ کے ہمراہ حیدرآباد دکن گیا تو مجمع المصنفین کے دفتر میں ہر شخص کو انہیں صوفی صاحب قبلہ کے لقب سے یاد کرتے پایا یہ لقب میرے لئے اجنبی تھا ،میں نے اپنے ہوش میں کبھی ابامیاںؒ کو صوفی صاحب کہتے کسی کو نہیں سنا تھا کچھ دنوں بعد معلوم ہوا کہ یہ دارالشفاء (بلدیہ حیدرآباد) کی مسجد میں تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے ،بجلی کڑکی یہ اس کی زد میں تھے ،اس کے گرتے وقت یہ ذرا جگہ سے ہٹے منارہ مسجد کا کنارہ اسی جگہ آکر سجدہ ریز ہوا۔

توڑی واعظ نے اگر گردن مینا ناسخ ۔۔۔۔۔ مے پرستوں نے بھی مسجد کا منارہ توڑا

سچ ہے ،جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے ،ورنہ کبھی کے واصل بحق ہو گئے ہوتے صبح جب اس واقعہ کی شہرت ہوئی تو مولانا عبدالقدوس صاحب ہاشمی ندویؒ نے انہیں صوفی صاحب قبلہ کہنا شروع کیا پھر کیا تھا اس لقب سے مشہور ہو گئے۔

تربیت: ۔ابامیاں کی تربیت کا انداز نرالا تھا۔راست کم ہی کچھ کہتے جب موقع پاتے ایسا انداز اختیار

کرتے کہ بات بچے کے ذہن میں نقش ہو جاتی، کہیں دو میں تکرار ہوتی، ایک دوسرے کو برا بھلا کہتا ہوتا، فرماتے جو کسی کو برا بھلا کہتا ہے ویسا ہی سنتا ہے، جو گالی دیتا ہے گالی کھاتا ہے، ذوق نے کیا خوب کہا ہے۔

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے

ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

کبھی صائبؒ کا مصرعہ پڑھتے۔

؎ ایں زر قلب بہر کس کہ دہی باز دہد

یہ کھوٹا سکہ تو جسے دے گا وہ تجھے لوٹا دے گا۔

دکان پر سائل وفقیر آتا رہتا تھا میں جانتا تھا کہ یہ روز آتا ہے پیشہ ور فقیر ہے، کہتا بابا آگے بڑھو، کبھی لہجہ بدل جاتا، فرماتے فقیر سے نرمی سے کہتے ہیں پھر آیت شریفہ پڑھتے۔

وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ جو مانگتا ہو اس کو نہ جھڑک۔

بچوں کی عادت ہوتی ہے، راہ چلتے جانور کو چھیڑتے مارتے ہیں، میں تھا ہی نالائق چھیڑ دیتا، فرماتے، جانور کو نہیں ستاتے اور یہ شعر سناتے۔

چہ خوش گفت فردوسی پاک زاد کہ رحمت بر آں تربت پاک باد

میازار مورے کہ دانہ کش است جاں دارد و جان شیریں خوش است

دیکھا گیا ہے بعض لوگوں کو بات بات پر غصہ آتا ہے، ذرا سی بات میں آپے سے باہر ہو جاتے ہیں، حدود کا خیال نہیں رکھتے، کسی کو طیش میں دیکھتے تو شاہ ظفر کا یہ شعر پڑھتے۔

ظفر ہرگز آدمی نہ جانئے گا ہو وہ کیسا ہی صاحب فہم و ذکا

جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

وہ فجر کے وقت مسجد جاتے ہمیں جگاتے، نماز پڑھو، ہم اٹھتے پھر پڑ جاتے نیند آتی سو جاتے، عشاء کی

نماز کے لئے اٹھاتے ،فرماتے نماز پڑھ کر سوجاؤ، ایسی عادت ڈال گئے کہ فجر وعشاء بھولے سے بھی نہیں چھوٹتیں۔

وہ نہایت خاموشی واطمینان سے لڑکوں کے رجحان طبع کو دیکھتے تھے ان کا میلان علم کی طرف پاتے تو اس راہ پر گامزن رہنے دیتے چنانچہ مولانا نعمانی کی علم سے دلچسپی دیکھی اور مطالعہ کا شوقین پایا کوئی مداخلت نہیں کی بلکہ ان کی معلومات کو سراہا جن کتابوں کی فرمائش کی انہیں مہیا کیں دلائل سے خصم کو قائل کرنے پر ان کی حوصلہ افزائی کی لیکن جس بیٹے کا رجحان طبع کھیل کود کی طرف دیکھا اس کا ماحول بدلا دینی علوم کے لئے جگر گوشوں کو دیس سے پردیس بھیجنے میں بھی تامل نہ کیا چنانچہ مجھ سے بڑے آغا میاں (مولانا عبدالعلیم ندویؒ) جنہیں کشتی وکبوتر بازی کا شوق تھا جے پور سے سورت ڈابھیل بھیجا، جب علم کا شوق ہوگیا، انہیں مولانا حیدر حسن خاں شیخ الحدیث ندوۃ العلماء المتوفی ۱۳۶۱ھ کی خدمت میں پہنچایا انہوں نے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں پڑھا اس نسبت سے ندوی لکھتے ہیں۔

میں نرا نکما، نالائق تھا گھر کے کم وبیش ہر فرد کی میرے بارے میں یہی رائے تھی، کہ یہ سرکش ونالائق ہے۔اس لئے کہ میں کسی کی سنتا نہ تھا ہر ایک کے منہ آتا تھا، ایسے لڑکے کے بارے میں کب کوئی اچھی رائے رکھ سکتا ہے، اسے ہر شخص برا کہتا اور برا سمجھتا ہے، بقول ریاضؔ میری یہ کیفیت تھی۔

ریاض ان کو چھیڑا ہے تم نے ہم نہ مانیں گے

وہ تم کو کوستے ہیں جب تمہارا نام آتا ہے

جب میری نالائقی وسرکشی کی داستان سنی اور دکان دیکھی، مجھ سے کچھ نہیں کہا، بس کہا تو یہ کہا تم میرے ساتھ حیدرآباد چلو، مجھے کب تامل تھا، یہ غالباً ۱۹۴۰ء کا واقعہ ہے، ہم جے پور سے حیدرآباد دکن کو چلے، سفر سقر بھی ہے اور ظفر بھی، یہ سفر میرے لئے سقر ہی کا نمونہ تھا، بقول میرؔ۔

بس کے پہلے پہل کا تھا یہ سفر　　　آفتیں ساری آپڑیں سر پر

یہ دوسری جنگ عظیم کا زمانہ تھا ریل گاڑی کے ڈبوں میں ریل پیل بہت ہوتی تھی، آدمی مور وملخ کی طرح بھرے ہوتے تھے، تل دھرنے کو جگہ نہ ہوتی تھی، جس ریل گاڑی میں ہمیں سوار ہونا تھا اس ریل

گاڑی کے ڈبوں میں فوج براجمان تھی اسے سکندرآباد (حیدرآباد دکن) اترنا تھا، جوں توں کر کے باپ بیٹے ڈبے میں گھس گئے، نہ لیٹنے کی جگہ نہ بیٹھنے کا آرام، سفر لمبا مثل ہے سولی پر بھی نیند آتی ہے، میں سہارے سے نیند بھر کر سورہا مگر ابا میاں اللہ اللہ کرتے رہے اور اسٹیشنوں پر اتر کر نماز پڑھتے رہے انہیں نیند نہ آتی تھی نہ آئی، وہ بے کل ہی رہے، قہر درویش بر جان درویش اردو میں مثل ہے سفر اور سقر میں ایک نقطہ کا فرق ہے، اس کی حقیقت اسی سفر میں کھلی لیکن۔

یہ سفر میرے لئے وسیلہ ہے ظفر کا۔

یہ سفر میری زندگی کا ایسا موڑ اور ایسا سفر ہے جہاں سے میں جہالت سے تو نہیں نکل سکا لیکن جہالت کا احساس ہوا، اور میرے علمی سفر کا آغاز سمجھئے، اسی منزل سے ہوا۔ جس کا اس وقت مجھے شعور بھی نہ تھا، کسی عربی شاعر نے خوب کہا ہے۔

اتانی هواها قبل أن أعرف الهویٰ　　　　فصادف قلبا فارغا فتمكنا

اس محبوبہ (علم) کی محبت اس وقت آئی جب میں محبت کو پہچانتا نہ تھا۔ اس نے دل خالی پایا تو دل میں جم گئی۔

حیدرآباد پہنچے تو دارالشفا منزل میں اترے یہ معجم المصنفین کا دفتر تھا، یہاں مجھے نورتن کا دربار ملا، نہایت شائستہ، مہذب، تعلیم یافتہ افراد کا مجمع دیکھا، کھانے کی نشست ہوتی، میر مجلس مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی ندویؒ ہوتے یہ بلا کے ذہین، سخن فہم، سخن سنج، فی البدیہ شعر کہنے والے ہر موضوع پر بولنے والے شگفتہ قلم، شگفتہ مزاج، مولانا عبدالرحمٰن چشتی ٹونکی، مولانا نعمانی، محمد رمضان کاتب، ڈاکٹر میر معظم علی علوی، زکریا مائل، علمی نکتوں، لطیفوں، ادبی چٹکلوں، سیاسی تبصروں سے مجلس باغ و بہار ہوتی تھی، اس ادارے میں نامور علماء ادباء وشعراء کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ماہرالقادری یہاں آتے رہتے تھے بھائی صاحب کو گھیر گھار کر کبھی شطرنج کھیلنے لگتے تھے، اس زمانے میں محسوسات ماہر کی کتابت ابا میاں نے کی تھی۔

یہاں مجھے ابا میاں نے مولوی اسماعیل میرٹھی کی کتاب کمک اردو پڑھائی، قرآن مجید پڑھایا، ایک ادھ بار کسی فاحش غلطی پر چٹکی بھی بھری تھی، یہ ابا میاں کی خفگی کی انتہا تھی، اللہ اکبر حدود شریعت کا کتنا لحاظ رکھتے تھے، پھر مدرسہ نظامیہ میں داخل کرایا۔

اس علمی مجلس نے مجھے شعر وسخن ( ) سے آشنا کیا میں کتب خانہ آصفیہ میں جاتا اور اردو شعراء کے دواوین نکلوا کر پڑھتا تھا، شعر سے طبعی مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے شعر گوئی نہ کر سکا لیکن نامور شعراء کے نام وکلام سے واقف ہوا۔

معلوم نہیں ابا میاں کی فراست ودانائی تھی یا باطنی تصرف تھا کہ وہ سمجھ گئے اسے علم کا نشہ چڑھا ہے جو مرتے دم تک اترتا نہیں، ع یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے۔

انہوں نے ڈیڑھ دو سال بعد ۱۹۴۲ء میں مجھے بھائی جان (مولانا نعمانی) کے ساتھ گھر بھیجا، فرمایا منشی کرو، بڑے بھائی (آغا میاں) کے ایک دوست مولانا شریف الحسن صاحب شیر کوٹی فاضل دیوبند جے پور میں سلاوٹوں کے محلہ میں قیام پذیر تھے، دار العلوم دیوبند کی طرف سے سفیر بن کر آئے تھے چندہ جمع کر کے مدرسہ دیوبند بھیجتے تھے، اور پنجاب یونیورسٹی سے منشی کے امتحان کے طلبہ کو تیاری کراتے تھے، ان کے پاس مجھے بٹھایا گیا، انہوں نے چھ ہفتوں میں تیاری کرائی، چمڑے کے بستہ بند کے پٹکے سے پٹائی کرتے تھے، گاہ بگاہ میری بھی ہوئی۔

ابا میاںؒ کی دعاء وتوجہ نے علم کی محبت دل میں ایسی بٹھائی تھی کہ یہ سختی بھی جھیل گئے، امتحان دیا ۱۹۴۲ء میں بزرگوں کی دعا سے کامیاب ہوا۔ حوصلہ بڑھ گیا بھائیوں کی رائے ہوئی کہ اسے منشی فاضل کرایا جائے، یا انگریزی پڑھائی جائے، فوری طور پر منشی فاضل کی تیاری میں لگا، تھوڑے دنوں بعد ابا میاںؒ حیدرآباد سے جے پور آگئے، فرمایا عربی پڑھو، دینی تعلیم حاصل کرو، چنانچہ جہاں بڑوں نے پڑھا تھا، میں بھی وہیں پہنچا، مولانا قدیر بخش بدایونیؒ سے مدرسہ تعلیم الاسلام میں کافیہ تک پڑھا تھا کہ ابا میاںؒ نے بھائی جان (مولانا نعمانی) سے کہا اسے دیوبند بھیجو، یہ ندوۃ المصنفین کے رفیق تھے، لغات القرآن لکھ رہے تھے، انہوں نے حامد الانصاری غازی کو (جو قاری محمد طیب مہتمم دار العلوم دیوبند کے داماد تھے اور ندوۃ المصنفین چھوڑ کر دار العلوم کے دفتر اہتمام سے وابستہ ہوگئے تھے، خط لکھا داخلہ ہوگیا)۔ یہاں چھ برس شوال ۱۳۶۳ء سے ۱۳۶۹ھ مئی ۱۹۴۹ء تک علوم دینیہ کی تکمیل کی یوں ابا میاںؒ کی دیرینہ آرزو پوری ہوئی بعد ازاں مولانا نعمانی کا ساتھ رہا اور ان کی تربیت وعلمی صحبت نے نکھارا اوروں سے بھی فائدہ پہنچا، لیکن ابا میاںؒ کی دعاؤں سے

علم کا چسکا ایسا لگا کہ میں اب تک تین مرتبہ دائیں آنکھ کا کورنیا corneaلندن جا کر تبدیل کرا چکا ہوں۔ لیکن پڑھنا لکھنا نہیں چھوٹتا، دن بغیر مطالعہ نہیں گذرتا۔اپنی جہالت کا احساس ہر لمحہ بڑھتا ہے اور علم کی جستجو رہتی ہے، جی نہیں بھرتا، رب زدنی علما ۔میرے رب میرا علم بڑھا تارہ۔

ابا میاں نے ہر موڑ پر کچھ اس انداز سے تربیت و رہنمائی کی کہ ان کی مراد برآئی اور ہم علمی راستے سے نہ بھٹکے اس ڈگر پر چلتے رہے، یہ انہی کی نیکیوں کا صلہ ہے۔

اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

راج ہٹ، بالک ہٹ، تریا ہٹ، جوگی ہٹ، ایک مشہور مثل ہے، ان کی ضد کو طرح دیجاتے تھے، بھائیوں میں اختلاف ہونا خاص طور پر جہاں الفت و محبت ہوتی ہے اختلاف ہو جاتا ہے، پھر خدانخواستہ مولویوں میں اختلاف ہو تو ہر طرف دلائل ہوتے ہیں، اور ہر ایک اپنے آپ کو برسر حق سمجھتا ہے، ایسا کوئی موقعہ آتا تو کسی کی جانبداری نہیں کرتے، دونوں کو سمجھاتے پھر خاموشی اختیار کرتے، انہوں نے زمانہ دیکھا تھا، سمجھتے تھے وقتی جوش ہے، جاتا رہے گا، حالات معاملات سلجھا دینگے، آگے چل کر دونوں کو پشیمانی ہوگی، ایسا ہی ہوتا ہے اور ایسا ہی ہوا۔

اخلاص وحسن عمل:۔ دین سے محبت اور علماء وصوفیاء کی صحبت نے ان کے قلب ونظر میں دین ایسا رچا یا اور اس کی عظمت ایسی بٹھائی تھی، کہ وہ دینی تعلیم کی تحصیل اور اس کی خدمت ونشر علم کو حاصل زندگی سمجھتے تھے، ان کی دلی آرزو تھی، کہ میری ساری اولاد عالم بنے اور دین کی خدمت کرے ان کی کیفیت فقیہہ شمس الائمہ ابو محمد عبدالعزیز حلوائی بخاری المتوفی ۴۵۶ ھ کے باپ احمد بن نصر حلوائیؒ کی سی تھی جو مٹھائی بیچ کر پیٹ نہیں بھرتے، علماء وفقہاء کو مٹھائی پیش کرتے ان سے دعا کی درخواست کرتے کہ میرا بیٹا بھی عالم وفقیہہ بن جائے، چنانچہ ان کے اخلاص نیت ودعا کی برکت سے ان کے بیٹے کو شمس الائمہ کا اعزاز ملا اس نسبت سے یہ حلوائی مشہور ہوئے ورنہ یہ تو فقیہہ تھے حلوائی نہ تھے۔

ابا میاںؒ نے اس دور میں اولاد کو دینی علوم سے آراستہ کرانے کا فیصلہ کیا جب کہ کم وبیش ہر شخص اپنی اولاد کو انگریزی پڑھانے کا خواہش مند تھا۔

داغ نے کیا خوب کہا ہے ۔

بعد مدت کے یہ اے داغؔ سمجھ میں آیا　　　وہی دانا ہے، کہا جس نے نہ مانا دل کا

اس لئے عالم کیلئے مسجد کی امامت، یا کسی دینی مدرسہ کی ملازمت یا کہیں کی خطابت زندگی کی معراج تھی، پھر عیش و آرام کو تجنا، سرکاری منصب و وجاہت کے دروازے اپنے اوپر بندھ رکھنا، یہ وہ کٹھن مراحل تھے جن سے ہندوستان میں برطانوی سامراج میں ایک عالم کا گذرنا ناگزیر تھا ایسے ناسازگار حالات میں ارباب عزیمت نے اپنی اولاد کے لئے یہ راستہ اختیار کیا، ان حوصلہ مند ارباب صدق وصفا میں ابا میاںؒ بھی تھے، یہ ان کا اخلاص وحسن عمل تھا کہ ان کے اس اقدام سے اپنوں اور غیروں سب کو فائدہ پہنچا جب تک ان کی آنکھوں میں دم اور ہاتھ میں قلم رہا اولاد پر خرچ کیا کتابیں نقل کر کے دیں ۔ جب آنکھیں پڑھنے لکھنے کے لائق نہ رہیں، گھر بیٹھ رہے، اپنے توکل واخلاص کو کبھی مجروح نہیں کیا، انہیں زندگی میں اگر کسی امر کا افسوس رہا تو اس امر کا رہا کہ وہ اپنے دو چھوٹے بیٹوں محمد عبد العظیم عرف مظفر لطیف اور محمد عبد الرحمٰن عرف غضنفر میاں کو عالم نہ بنا سکے، لیکن نِيَّةُ الْمُؤمِن خير من عمله، مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے، ان کا ارادہ انہیں بھی عالم بنانے کا تھا لیکن انہیں موقعہ نہ مل سکا اس لئے ان کا اجر کہیں نہیں گیا (مظفر لطیف تو اللہ کو پیارے ہو گئے، غضنفر میاں ان شاء اللہ دینی علوم کی اشاعت میں ہمہ تن مصروف ہیں الرحیم اکیڈمی کے نام سے ان کا ایک اشاعتی ادارہ ہے جس سے سینکڑوں نادر علمی تصانیف شائع کر کے اہل علم میں قبول عام حاصل کر رہے ہیں)۔

یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ انہوں نے اپنی زندگی میں دیکھا کہ ان کا سب سے بڑا بیٹا مدرس، مصنف اور وقت کا نامور عالم بنا، جس کی تصنیفی وتدریسی خدمات سے علمی دنیا کو فائدہ پہنچا، جس نے اردو عربی میں نہایت مفید تالیفات کیں، بعض اہم علمی گتھیوں کو سلجھایا، تاریخی حقائق سے پردہ اٹھایا، ہندوستان اور اسلامی دنیا کے نامور اہل علم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم مدنیؒ، مفتی مہدی حسن شاہجہانپوریؒ، عبد الفتاح ابو غدہؒ نے ان کی تحقیقات سے فائدہ اٹھایا اور ان کی علمی تحقیقات سے بیرونی دنیا کو روشناس کرایا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں سب کو صاحب اولاد کیا ان کا سلسلہ بہت پھیلا، ان کی اولاد کے علوم

میں بھی برکت رکھی، انہیں اہم موضوعات پر لکھنے اور نئی تحقیقات پیش کرنے کی توفیق بخشی، ان کے پوتا پوتیوں نواسے نواسیوں کی اولاد میں بہت حافظ ہیں، ایسے خوش نصیب خانوادے ہندوستان و پاکستان میں انگلیوں پر شمار کئے جا سکتے ہیں اور پھر ان کی اولادوں میں یہ سلسلہ جاری ہے اس میں عالم بھی بن رہے ہیں، اور جدید علوم سے بھی بہرہ ور ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس میں مزید اضافہ فرمائے۔ (آمین)

کلمة طیبة کشجر ة طیبة اصلها	ایک بات ستھری، جیسے ایک درخت ستھرا، اس کی جڑ
ثا بت و فر عها فی السماء توء تی	مضبوط ہے، اور ٹہنی آسمان میں لاتا ہے پھل دیتا ہے
ا کلها کل حین با ذن ر بها	وقت پر اپنے رب کے حکم سے۔

(آیت ۲۴/۲۵ سورۃ ابراہیم)

ان کا حسن عمل اس امر کا مصداق ہے، ذ لک فضل اللہ یو تیه من یشاء و اللہ و اسع علیم (آیت ۵۴ سورۃ مائدۃ) یہ اس کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اللہ وسیع ذرائع کا مالک ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔

زندگی میں تین کام: ۔ ان کے اوقات زندگی بہت منضبط تھے وہ وقت ضائع کرنا نہیں جانتے تھے، زندگی میں ان کے تین ہی کام تھے، ۱۔ دکان پر سوداگری، ۲۔ کتابت، ۳۔ اور اللہ اللہ کرنا، فضول کاموں سے بچتے، بے کار باتوں سے گریز کرتے تھے، دکان پر ہر قسم کے لوگ آتے رہتے تھے، ایک بار بعض کیمیا کے شوقین اور مہوس بھی آئے، انہوں نے سونا بنانے کے نسخے بتائے یقین تو نہ آیا لیکن ان کے کہنے سے دو چار نسخے آزمائے، کامیابی کے آثار نہ پائے، چھوڑ دیا فرماتے تھے۔

حرص و طمع سہ حرف دار دو ہر سہ تہی، حرص و طمع میں تین حرف ہیں، اور تینوں نقطوں سے خالی ہیں، حرص و طمع سے کبھی کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

جوانی میں پان کھاتے اور حقہ پیتے تھے، فرماتے تھے دانت پان کھانے سے جلدی گرے، گورے چٹے تھے، پان ان پر خوب کھلتا تھا، بدن سڈول تھا، شیروانی کرتا پہنتے خوب سجتا تھا چلتے تیز تھے اور ان کی زبان ذکر اللہ سے تر رہتی تھی۔

اہلیہ کا انتقال: ۔ اماں بی بہت نیک خدمت گذار وخدار سیدہ خاتون تھیں بھری گود خالی ہو جاتی، جوان بیٹی مر جاتی، ان کے صبر کا دامن نہیں چھوٹتا ہر حال میں شاکر رہتی، چولھے ہانڈی اور گھر کے کام کاج کر کے نماز روزہ کرتی تھیں اس میں ان کی زندگی پوری ہوگئی، ۱۹۴۹ء کے آخر میں جب دیوبند سے آیا تو دیکھا بیماری سے سوکھ کر کانٹا ہوگئی تھیں، تھوڑے دنوں میں حالت غیر ہوگئی جانکنی کے وقت سرہانے بیٹھے سورہ یسین سنا رہا تھا۔ جب میں آیت شریفہ ''سلامٌ قولا مِن رب الرحیم'' ترجمہ رب رحیم کی طرف سے ان کو سلام کہا گیا ہے، پر پہنچا روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، یہی ان کے حسن خاتمہ کی دلیل ہے ان کی قبولیت کا اندازہ حسب ذیل واقعہ سے کیا جا سکتا ہے۔

ایک مرتبہ بستی نظام الدین (دہلی) سے تبلیغی جماعت جے پور آئی اس نے ہمارے چوک میں تقریر کی میواتیوں کی تقریر بہت سادہ دل پذیر ہوتی ہے وہ دل سے نکلتی اور دل میں اترتی ہے۔

اماں بی ان کی تقریر سے متاثر ہوئیں ان کے منہ سے بیساختہ نکلا اے اللہ جب مروں یہ نیک بندے میری نماز جنازہ پڑھیں مجھے کندھا دیں۔

عجیب حسن اتفاق ہے ۱۹۴۹ء میں جب انتقال ہوا۔ وہی تبلیغی جماعت ہندوستان سے آ کر مکی مسجد کراچی میں ٹھہری ہوئی تھی، انہیں اطلاع کی گئی، نماز جنازہ وتدفین میں شریک رہی میوہ شاہ قبرستان کراچی کے دھوبی گھاٹ کی طرف قبرستان میں انہیں دفن کیا گیا تھا، اللہ کی شان ہے آج مزار کا نام ونشان بھی نہیں ہے، جس جگہ دفن کیا گیا تھا، وہاں مکان تعمیر ہو چکا ہے۔

کل من علیها فان ویبقٰی وجهه	ہر چیز جو اس زمین پر ہے فنا ہو جانے والی
ربک ذوالجلال والاکرام	ہے اور صرف تیرے رب جلیل وکریم
(سورۂ الرحمٰن آیت ۲۷)	ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔

برمزار ما غریباں نے چراغاں نہ گلے

نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

بے گناہوں کی اسی کوچہ میں مٹی ہے خراب

دادخواہوں کو یہاں زیست سے ملتا ہے جواب

وفات: ۔ ابا میاں ۱۷ رجمادی الاولیٰ ۱۳۷۳ھ کو میری سب سے بڑی ہمشیرہ عائشہ آپا سے ملنے بہار کالونی گئے شام ہوگئی انہوں نے کھانے پر اصرار کیا کھانا تناول کیا، رات گئے پی اینڈ ٹی کالونی آئے طبیعت خراب ہوئی علاج کے لئے عرض کیا گیا، آمادگی ظاھر نہ فرمائی، لیٹے رہے ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۳ھ مطابق ۲۴ جنوری ۱۹۵۴ء کو جب کاروان عمر غالباً اٹھترویں منزل طے کررہا تھا، قبیل مغرب حالت بگڑی اور روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

ابا میاںؒ کا ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۳ء تک شو مارکیٹ لارنس روڈ پر لکشمی نواس مینشن میں قیام رہا تھا، قریب ہی گاڑی احاطہ میں ایک چھوٹی سی مسجد الانہ تھی پھر وہ دوبارہ کئی منزلہ بنائی گئی اس مسجد میں پنجگانہ نمازیں جماعت سے پڑھتے تھے، امام وموذن اور پابندی سے مسجد میں آنے والے نمازی انہیں جانتے تھے، اس مسجد میں ایک مجذوب بھی پانچ وقت کی نماز جماعت سے پڑھتا تھا، اس کا جذب بھی عجیب تھا ہمہ وقت طاری رہتا تھا، جو کہتا تھا وہ سمجھ میں نہیں آتا تھا، لیکن امام کی تکبیر تحریمہ پر اس کا جذب ختم ہوتا اور سلام امام کے بعد اس کا جذب شروع ہوجاتا تھا نماز جنازہ سے قبل دیکھا کہ امام وموذن اور مقتدی اور یہ مجذوب، پی اینڈ ٹی میں جہاں جنازہ تیار تھا، آئے نماز جنازہ میں شرکت کی گذری کے قبرستان میں تدفین تک شریک رہے مگر اس عرصہ میں اس مجذوب پر خاموشی طاری رہی بعد تدفین اس کا جذب پھر عود کر آیا، اور ایک ہی رٹ زبان پر جاری تھی، کامیاب گیا کامیاب گیا گذری کے پہاڑی قبرستان میں ایک چھوٹی سی پہاڑی پر دفن کئے گئے، قبر پر نہ کوئی لوح ہے اور نہ کتبہ لیکن مزار آج تک محفوظ ہے۔ (۱)

---

(۱) گورکن بھی صاحب قبر کا منتظر تھا، پوچھا گیا کس کا انتظار ہے ، کہنے لگا کہ مجھے ایک عرصہ دراز گذرا کہ میں یہاں قبریں کھودتا ہوں یہ سارا پہاڑی علاقہ ہے، یہاں کی زمین انتہائی سنگلاخ پتھریلی ہے اور بہت دیر میں ایک قبر کھد کر تیار ہوتی ہے لیکن اس قبر کو جب میں نے کھودنا شروع کیا تو بغیر کسی زحمت کے کھودتا چلا گیا، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مٹی از خود اوپر آرہی ہے۔ اس لئے میں بھی صاحب قبر کا چہرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ **اللھم اغفرلہ و ارحمہ و انت خیر الراحمین۔** غفنفر عفی عنہ

کتب خانہ واساتذۂ فن کی مشقوں اور وصلیوں کا ذخیرہ:۔ انہوں نے اپنی اولاد کو عالم ہی نہیں بنایا ان کی علمی سرگرمیوں کی بقاء وترقی کے لئے ناسازگار حالات میں بھی اردو عربی وفارسی کی نادر واہم کتابیں فراہم کیں، بعض قلمی نسخے خریدے، بعض کتابیں خود نقل کر کے ان کے علمی تشنگی کو دور کیا چنانچہ موصوف نے توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار مؤلف محمد بن اسماعیل الامیر المتوفی ۱۱۸۲ھ کے آخر میں لکھا ہے کہ یہ نسخہ اپنے بیٹے محمد عبدالرشید کے لئے نقل کیا ہے۔

خود چونکہ خوشنویس، ناشر وصاحب مطبع تھے، ذوق علمی ونظر وسیع تھی، اس لئے بہترین مطبعوں اور نامور خوشنویسوں کی لکھی ہوئی، اچھے کاغذ پر چھپی ہوئی کتابیں جمع کی تھیں، ہندوستان کے قدیم ومشہور ترین مطابع میں مصطفیٰ خان بن روشن خان حنفی کے مطبع مصطفائی لکھنو اور ان کے برادر خورد عبدالرحمٰن خان کے مطبع نظامی کانپور کی مطبوعات کو منشی نولکشور کی مطبوعات کے مقابلہ میں زیادہ پسند کرتے تھے، آگرہ کے مطابع میں مفید عام پریس آگرہ کی مطبوعات کی تعریف کرتے تھے، جس کے متعلق کسی شاعر نے کہا ہے۔

مفید عام پریس آگرہ کا اچھا ہے   کہ ہند میں چھپائی کا یاں شہرہ ہے۔

رعد پریس کانپور کی چھپی ہوئی کتابوں کے بھی دلدادہ تھے، دلی کے قدیم مطابع میں مطبع العلوم دہلی، مطبع اموجان اور عبدالاحد کے مطبع مجتبائی کی شائع کی ہوئی کتابوں کی قدر کرتے تھے، مطبع مجتبائی میرٹھ کی شائع شدہ کتابوں کو دل سے چاہتے تھے، اس لئے کہ ان کے یہاں اچھے کاتب اور نامور خوشنویس کاپی لکھتے تھے، تصحیح کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا، کاغذ، چھپائی اور سرورق قابل دید ہوتا تھا، ایسی کتابیں کیوں مرغوب خاطر نہ ہوں۔

کتاب ایسی نہ کیوں ہو دل کو مرغوب   خط نسخ اچھا تو نستعلیق تھا خوب

یہ ذخیرہ کتب کم وبیش ہر فن کی کتابوں پر مشتمل تھا، اور اتنا زیادہ ذخیرہ تھا کہ میں نے جے پور میں کسی کے یہاں ذاتی ذخائر کتب میں نہیں دیکھا یہ کتب خانہ مولانا نعمانی کے تصرف میں رہا اور صحیح معنی میں انہوں نے اس سے فائدہ اٹھایا، آنکھیں بنوانے کے بعد ابا میاںؒ جب لکھنے پڑھنے کے لائق نہیں رہے کسی

سے کچھ نہیں کہا، نہایت خاموشی سے گھر بیٹھ رہے، مظفر میاں سے چھوٹا موٹا دھندہ کرایا وہی ان کی روزی کا حیلہ ہوگیا، یہ اس کی سعادت مندی تھی کہ یہ ان کی خدمت کرتا رہا انہوں نے ساری عمر کھلایا تھا وہ بہت غیرت مند تھے ان کی طبیعت پر اس کی یہ خدمت بھی گراں تھی۔

بقول ناسخ ان کی یہ حالت تھی۔

وہ تو کیا مرتا ہے بس غیرت سے مرا جاتا ہوں میں۔

آخری ایام میں ان کے پاس نقد کچھ نہ تھا مکان وسامان جے پور میں رہ گیا تھا، یہاں ایک کتب خانہ اور اساتذۂ فن خوشنویسوں کی وصلیوں اور مشقوں کا نادر ذخیرہ ہی عمر بھر کا سرمایہ تھا، بڑے لڑکے سب عالم اور برسرکار تھے گو آمدنی زیادہ نہ تھی لیکن ان کی گذر بسر ہوتی تھی، وہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے اپنے ذوق کے مطابق کتابوں کا کچھ نہ کچھ ذخیرہ کیا ہے، ان کا ذوق علمی ہے یہ احتیاج کے مطابق آج نہیں کل کتب خانہ بنالیں گے اب انہیں ان کتابوں کی چنداں احتیاج نہیں، (الحمد للہ آج ہر ایک کے پاس اپنی ضروریات کے مطابق نہایت عمدہ کتب خانہ موجود ہے) انہوں نے اپنا سارا علمی ذخیرہ مظفر میاں کو دے دیا، یہ علم سے محروم رہا ہے، تو ان کے علمی سرمایہ سے کیوں محروم رہے، اس نے خدمت کی اس کا صلہ بھی انہوں نے اسے اپنی زندگی میں دے دیا، اس نے رفتہ رفتہ پورا ذخیرہ فروخت کر دیا جس کی بیشتر کتابیں آج نیشنل لائبریری کراچی میں موجود ہیں اور وصلیاں وقطعات نیشنل میوزیم کراچی کی زینت ہیں۔(۱)

اولاد واحفاء:۔ ابا میاں کے پہلے چار لڑکیاں ہوئیں، اور پانچ لڑکے اور درمیان کے اللہ کو پیارے ہوگئے سب سے بڑی عائشہ آپا، دوسری حاجرہ آپا تیسری قریشی آپا اور چوتھی رقیہ آپا تھی محمد عبدالرشید نعمانی موصوف میرے بڑے بھائی ہیں۔۱۸/ذی العقدہ ۱۳۳۲ھ بمطابق ۲۹ ستمبر ۱۹۱۵ء میں محلہ بساطیان میں پیدا ہوئے، میں نے انہیں شیروانی پہنے اور عربی کی موٹی موٹی کتابیں اٹھائے مدرسہ تعلیم الاسلام جاتے دیکھا ہے ان کے سرہانے کتابوں کی الماری اور صندوق رکھے ہوئے تھے، انہیں جب دیکھا کتاب پڑھتے اور کتابیں الٹ پلٹ کرتے جھاڑتے دیکھا کھانا کھا کر بستر پر جاتے تو بھی سرہانے سے کتاب اٹھاتے اور

---

(۱) مظفر بھائی کے بقول کچھ وصلیاں لاہور میوزیم میں منتقل ہوگئی ہیں۔

لیٹے لیٹے کتاب پڑھتے رہتے، جب نیند کا غلبہ ہوتا کتاب تکیہ کے پاس رکھتے اور سو رہتے، میں نے اپنے خاندان میں ان سے زیادہ پڑھنے کا شوقین اور کتابوں کا رسیا نہیں دیکھا۔

اس دور میں انہیں اسماعیل بن اسحاق القاضی المتوفی ۲۸۲ھ کا مثیل پایا، جس کے متعلق ابوهفان عبداللہ بن احمد المتوفی ۲۵۷ھ کا بیان ہے۔

اما اسماعیل بن اسحا ق فانی مادخلت الیه الاّ رأیته ینظر فی کتاب او یقلب کتباً او یقضها۔

لیکن اسماعیل بن اسحاق کے پاس جب بھی میں آیا انہیں کتاب دیکھتے یا کتابیں الٹتے پلٹتے یا جھاڑتے دیکھا۔

ہر وقت ان کے منہ سے کتاب لگی رہتی تھی چنانچہ نوعمری میں آنکھوں پر زور پڑا اور ان کے عینک چڑھی، ساری عمر لکھا پڑھا اور پڑھایا اس لئے انہیں اصلاح کی کبھی حاجت نہیں ہوئی، اردو عربی دونوں زبانیں خوب لکھتے تھے مطالعہ نہایت وسیع تھا، جس موضوع پر قلم اٹھاتے تھے، خوب داد تحقیق دیتے تھے ۱۹۳۳ء میں مولوی فاضل و ۱۹۳۴ء میں منشی فاضل کیا، لیکن ان امتحانات سے انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی، ۱۹۳۴ء میں ندوۃ العلماء لکھنوء میں رہ کر شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خان سے ترمذی پڑھی اور خصوصی استفادہ کیا جوانی ۱۹۳۷ء میں کمانے کا خیال ہوا تو گھر میں نہ کہا کہ اجازت نہ ملتی بریلی کا رستہ لیا۔ مجھے یاد ہے سہ پہر سے گھر میں کھسر پھسر ہونے لگی، آپا بی (میری خالہ) حافظ جی ابا، ابا میاںؒ اور اماں بی کی نیندیں اڑ گئیں، پڑھے لکھے تھے، ہشیاری کی، اسٹیشن سے خط ڈاک میں ڈالا کہ میں بریلی مولانا یٰسین کے مدرسہ میں جا رہا ہوں دوسرے دن خط ملا تو دھوم مچی کہ بریلی گئے ہیں۔

۱۳۵۷ھ بمطابق ۱۹۳۸ء دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن میں دفتر معجم المصنفین سے وابستہ ہوئے اور چار برس اس میں کام کیا ۱۹۴۰ء میں شادی ہوئی ۱۹۴۲ء کے اواخر میں ندوۃ المصنفین دہلی میں لغات القرآن لکھنا شروع کی ۱۹۴۵ء کے اواخر میں ایک سال تبلیغ کے سلسلے میں بستی نظام الدین میں قیام رہا اگست ۱۹۴۲ء میں جے پور آ گئے اور یہیں لغات القرآن لکھتے رہے غالباً اکتوبر ۱۹۴۷ء میں کراچی پاکستان آئے، یہاں مولانا محمد صادق صاحب سندھی المتوفیٰ ۱۹۵۳ء کے مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کے کتب خانہ کی

فہرست مرتب کی ۱۹۴۹ء میں دارالعلوم ٹنڈوالہ یار سے وابستہ ہو گئے اور یہاں ۱۹۵۰ء تک تدریسی خدمات انجام دیں، ۱۹۵۵ء میں مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے مدرسہ اسلامیہ (جامعۃ العلوم الاسلامیہ) میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے ۱۹۶۲ء میں یہاں سے ماہنامہ رسالۂ بینات نکالا ۱۹۶۳ء میں الجامعۃ الاسلامیہ بہاولپور کی یونیورسٹی بننے کے بعد نائب شیخ الحدیث کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا۔ آخر میں شیخ التفسیر اور صدر شعبہ ہو کر ۱۶ ستمبر ۱۹۷۶ء میں اس منصب سے سبکدوش ہوئے، پھر مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے مدرسہ سے وابستہ ہو گئے اب یہاں تخصص کے طلبہ کے نگران اعلیٰ کے فرائض انجام دیتے رہے اور تحقیقی مقالات کی نگراں رہے، اور تین بار حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے پہلی مرتبہ پھر ۱۹۷۹ء میں اہلیہ کے ہمراہ حج کیا۔ ۱۹۴۵ء میں حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ سے بیعت ہوئے، سلوک وارشاد کا سلسلہ بھی موصوف سے قائم ہے، ان کی وجہ سے خاندان میں بدعات ورسوم کا خاتمہ ہوا عقائد درست ہوئے، جے پور میں تبلیغ کا کام شروع ہوا تدریسی خدمات کی وجہ سے پاکستان میں ان کے تلامذہ کا ایک وسیع سلسلہ پایا جاتا ہے۔ علمی و تحقیقی خدمات نہایت وسیع ومتنوع ہیں، اس دور میں موصوف سلف کی یادگار تھے، میرے مربی ومحسن اور استاد وباپ کی جگہ تھے، بعض علوم اصول حدیث ورجال حدیث، طبقات حنفیہ میں ان کی نظیر پاکستان میں مشکل ہی سے مل سکے گی، اللہ تعالیٰ نے موصوف کی ذات سے امت کو زیادہ فائدہ پہنچایا۔

اولاد:۔ دولڑکے محمد عبدالمعید ومحمد عبدالشہید اور تین لڑکیاں امۃ الرحمٰن، امۃ اللہ اور امۃ الرحیم ہیں محمد عبدالمعید نے ۱۹۶۹ء میں عین شباب کے عالم میں انتقال کیا بہت ہی نیک باادب ماں باپ کا خدمت گذار صالح اور سخی تھا، سب سے چھوٹی بیٹی امۃ الرحیم کا بھی جوانی میں انتقال ہوا۔

عبدالشہید سلمہ کراچی میں پیدا ہوا، قرآن مجید حفظ کیا درجہ رابعہ تک نیوٹاؤن کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کی، بھائی صاحب کے بہاولپور منتقل ہونے کے بعد مفتی فاروق رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں پڑھا پھر شاہ ولی اللہ کالج منصورہ سے امتیازی درجات کے ساتھ مولوی، مولوی عالم اور مولوی فاضل کے امتحانات پاس کئے۔

کراچی یونیورسٹی کے شعبہ عربی سے بی۔اے آنرز اور ایم۔اے امتیاز کے ساتھ کیا بعد میں اسی

شعبہ سے پی۔ایچ۔ڈی کیا اور جامعۃ الریاض سعودی عرب سے الدبلوم العالی حاصل کیا ۱۹۷۳ء سے کراچی یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں تدریس سے وابستہ ہے متعدد مرتبہ صدر شعبہ کے فرائض انجام دیئے ہیں۔متعدد کتابوں کے مؤلف ہیں اور شیخ زاید اسلامک سینٹر کے ڈائریکٹر بھی رہے ہیں اب موصوف ڈین فیکلٹی آف آرٹس کراچی یونیورسٹی کے عہدہ پر فائز ہیں حضرت نفیس شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز وخلیفہ ہیں۔(۱)

مولانا نعمانی کی دو صاحبزادیاں امۃ الرحیم اور امۃ اللہ بھی حافظ قرآن ہیں امۃ الرحیم مرحومہ نے کینیڈا میں متعدد بچیوں کو قرآن مجید پڑھایا امۃ اللہ بھی امریکہ کے شہر بفیلو میں ڈاکٹر اسماعیل کے قائم کردہ دینی مدرسہ میں فی سبیل اللہ قرآن مجید پڑھاتی ہے۔

بھائی صاحب کے دامادوں میں ڈاکٹر محمد احمد قمر پی۔ایچ۔ڈی اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل ہیں رابطہ عالم اسلامی میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے ہیں اور ایک عرصہ سے مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں ان کا ایک بیٹا عبدالقاہر قمر بھی پی۔ایچ۔ڈی ہے۔

دیگر دامادوں میں ضیاء خورشید چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ہیں اور پروفیسر شمیم احمد فلسفہ نفسیات اور اسلامیات میں ایم۔اے ہیں اور کیڈٹ کالج پٹارو سے صدر شعبہ اسلامیات کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے ہیں۔اس وقت بفیلو کے دینی مدرسہ میں استاد اور مہتمم کتب خانہ ہیں ڈاکٹر اسماعیل صاحب سے ان کو اجازت بیعت بھی حاصل ہے۔

تالیفات:۔ (۱) اردو میں لغات القرآن۔(۲) امام ابن ماجہ اور علم حدیث۔(۳) یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں۔(۴) شہداء کربلا پر افتراء۔(۵) قصاص عثمانؓ اور حضرت علیؓ۔(۶) ناصبیت تحقیق

---

(۱) محمد عبدالشہید کی تین لڑکیاں اور چار لڑکے ہیں ماشاءاللہ لڑکے لڑکیاں سب حافظ ہیں تینوں لڑکیاں مدرسہ عائشہ صدیقہ للبنات کی فاضلہ ہیں۔سب سے چھوٹی لڑکی مدرسہ میں بھی ہے لڑکوں میں سب سے بڑا عبدالحمید نبیل شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی میں لیکچرار ہے عبدالمجید بلال کراچی یونیورسٹی میں امام وخطیب ہے عبدالوحید حارث نے انگلش میں ڈبل ایم۔اے اور اسلامیات میں ایم۔اے کیا ہے قرآن مجید بہت عمدہ پڑھتا ہے، انگریزی کا بہترین شاعر ہے اس وقت فاسٹ یونیورسٹی میں انگریزی کا استاد ہے سب سے چھوٹا عبدالمعید انٹر کر رہا ہے اور ایک دینی مدرسہ میں زیر تعلیم ہے۔(غضنفر عفی عنہ)

کے بھیس میں ۔(۷)تبصرہ بر المدخل فی اصو ل الحدیث للحاکم النیشاپوریؒ ۔(۱)عربی میں، ما تمس الیہ الحا جہ لمن یطا لع سنن ابن ما جہ (اب یہ کتاب بیروت سے الامام ابن ماجہ و کتابہ السنن کے نام سے شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی تحقیقات کے ساتھ شائع ہوئی ہے)،مکانۃ الامام ابی حنیفہ فی الحدیث ،مقدمہ کتاب التعلیم تالیف امام مسعود بن شیبہ سندھی پر عربی مقدمہ وتعلیقات، در اسا ت اللبیب فی الاسو ۃالحسنتہ با لحبیب تالیف ملا معین سندھی،ذب ذبا با ت الدراسات عن المذاھب الار بعۃ المتنا سبا ت تالیف مخدوم عبداللطیف سندھیؒ ۔

محمد عبدالعلیم ندوی عرف آغا میاں :۔موصوف میرے بڑے بھائی ہیں ۷/دسمبر ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئے لڑکپن سے انہیں کشتی وکبوتر بازی کا شوق رہا ہے،ابا میاں نے انہیں سورت ڈابھیل بھیجا ،جب علم سے لگاؤ ہوا تو ندوۃ العلماء لکھنوء میں شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خان ٹونکیؒ کی خدمت میں پہنچایا ان کی زیر تربیت رہ کر ندوۃ العلماء میں پڑھا اسی نسبت سے ندوی لکھتے ہیں ۱۹۴۰ء میں اورنٹیل کالج لاہور سے مولوی فاضل کیا ۱۹۴۱ء میں دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن میں دفتر معجم المصنفین میں کام کیا ۱۹۴۲ء میں شادی کی ،اور جے پور میں جواہرات کا بیوپار کیا ۱۹۴۹ء میں کراچی آئے ،یہاں ایک اسکول میں پڑھایا ،اور ابن الجزریؒ کی کتاب الحصن الحصین کا قول متین کے نام سے اردو میں ترجمہ وشرح جسے ماصح المطابع نور محمد کارخانہ تجارت کتب نے شائع کیا، میں موصوف حیدرآباد سندھ منتقل ہوگئے ،لطیف آباد میں قیام کیا۔تاریخ انتقال ۲۹/ستمبر ۱۹۸۷ء۔

ان کے چھ لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں،سب سے بڑا لڑکا محمد عبدالمقیت ہے اس نے اردو ادب میں پی ۔ایچ ۔ڈی کیا،ہمارے خاندان میں اردو ادب میں یہ پہلا پی ۔ایچ ۔ڈی ہے کراچی میں سندھ مسلم کالج میں لیکچرار رہا اور مختلف مراتب پر فائز ہوکر ریٹائر ہوا اس نے حیدرآباد سندھ سے ایک اردو ماہنامہ نکالا تھا جو

(۱) یہ سب کتابیں الحمدللہ الرحیم اکیڈمی سے شائع ہوچکی ہیں۔اس کے علاوہ الامام ابن ماجہ وکتابہ السنن تالیف نعمانی کو شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے اپنے مقدمہ وتحقیق کے ساتھ بیروت سے شائع کیا، یہ بھی عکسی الرحیم اکیڈمی کراچی سے شائع ہوگئی ہے،علاوہ ازیں مکانۃ الامام ابی حنیفہ فی الحدیث بھی شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی تحقیق کے اور مصنف کے مزید اضافہ کے ساتھ الرحیم اکیڈمی سے شائع ہوگئی ہے،اور مقالات محدث نعمانی بھی ان شاءاللہ عنقریب شائع ہوجائینگے۔غفغفر عفی عنہ

اس کے ادبی ذوق کا آئینہ دار ہے اس کے دو تین شمارے ہی شائع ہوئے بس اوران کی ایک لڑکی اور ایک لڑکا ہے اور یہ دونوں امریکہ میں مقیم ہیں۔

محمد عبدالودود:۔ جے پور میں ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۶۶ھ بمطابق ۱۵ مئی ۱۹۴۷ء کو پیدا ہوا۔ حافظ قرآن ہے اس نے ایم۔اے کیا اور بینک میں آفسر ہے ۱۹۸۰ء میں شادی ہوئی اس کی دو لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے۔

محمد عبدالوارث:۔ یہ بھی حافظ ہے۔ اس نے بی۔کام کیا بینک میں ملازم ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد جرمنی چلا گیا وہیں شادی کی اور آباد ہو گیا۔

محمد عبدالمغیث:۔ ۱۰ رجنوری ۱۹۶۰ء کو پیدا ہوئے۔ حافظ ہے ایم۔بی۔بی ایس ڈاکٹر ہے آغا بھائی نے لڑکوں کی اس طرح تربیت کی ہے کہ عبدالودود نے مڈل کے ساتھ حفظ کی بھی تکمیل کر لی۔ عبدالوارث اور عبدالمغیث نے جس سال میٹرک کیا اس سال قرآن مجید بھی پورا حفظ کیا۔ خاندان میں یہ امتیاز انہی کے لڑکوں کو حاصل ہے۔ لڑکیوں میں بڑی لڑکی عذرا نے بی۔اے کیا ہے نظام الدین سے اس کی شادی ہوئی ہے اور صاحب اولاد ہے۔

محمد عبدالحلیم عرف اچھے میاں:۔ ۶ راپریل ۱۹۲۹ء میں پیدا ہوا، ابتداء میں حافظ جی ابا نے قرآن مجید کے ابتدائی تین پارے یاد کرائے ۱۹۳۶ء میں دکان سنبھالی اور تجارت کی، ۱۹۴۰ء میں حیدرآباد دکن چلا گیا غالباً ۱۹۴۱ء میں مدرسہ نظامیہ حیدرآباد میں پڑھنے کے لئے بٹھایا گیا ۱۹۴۲ء میں حیدرآباد سے جے پور آیا ۱۹۴۲ء میں منشی کیا پھر مدرسہ تعلیم الاسلام میں عربی پڑھی شوال ۱۳۶۳ھ ستمبر ۱۹۴۳ء میں دارالعلوم دیوبند بھیجا گیا یہاں پڑھتا رہا ۱۹۴۷ء میں کراچی آ گیا ۱۲ رستمبر ۱۹۴۸ء میں دارالعلوم دیوبند گیا اور موقوف علیہ اور دورہ کیا شعبان ۱۳۶۳ھ مئی ۱۹۴۹ء میں کراچی آیا۔ ریڈیو پاکستان کراچی میں مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے یہاں تفسیر قرآن میں معاون کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔

کچھ عرصہ آل پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی میں ریسرچ اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کیا۔ پھر ۱۹۵۵ء میں لیاقت نیشنل لائبریری سے وابستہ ہوا۔ اور یہاں کم وبیش چودہ برس کام کیا، اپریل ۱۹۶۸ء میں اورنٹیل کٹیلاگر کی حیثیت سے کتب خانہ جامعہ کراچی میں کام کیا اور ترقی کر کے اسسٹنٹ لائبریرین ہوا۔ نومبر ۱۹۷۷ء سے ہیرو یونیورسٹی کانو میں سینئر لائبریرین کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔

۱۹۵۳ ءمیں میٹرک کیا، ۱۹۵۷ء میں مولوی فاضل کیا ۱۹۶۷ء میں جامعہ کراچی سے اسلامیات میں ایم۔ اے کیا۔ ۱۹۷۱ء میں جامعہ کراچی سے علم کتب خانہ میں ایم۔ اے کیا، ۱۹۸۱ء میں اسلامی کتب خانوں کے موضوع پر اسی جامعہ سے پی۔ ایچ۔ ڈی کیا۔

۱۹۵۷ء سے معارف اعظم گڈھ اور دیگر علمی رسائل میں مقالات لکھ رہا ہوں، ۱۹۵۷ء میں حیات وحید الزماں لکھی۔

۱۹۵۸ء میں تحفۃ الاخیاء ترجمہ مشارق الانوار کو فقہی ترتیب پر مرتب کیا۔

۱۹۵۹ء میں نصیحۃ المسلمین مؤلف مولانا خرم علی بلہوریؒ کو از سر نو ترتیب دیا۔

۱۹۶۳ء میں عجالۂ نافعہ کا اردو ترجمہ اور اس کی شرح فوائد جامعہ کے نام سے لکھی۔

۱۹۷۲ء میں البضاعۃ المزجاۃ لمن یطالع المرقاۃ فی شرح المشکوٰۃ لکھی جو مکتبہ امدادیہ ملتان سے شائع ہوئی یہ عربی میں ہے۔

اس دوران تذکرۃ الخلیل کی ترتیب نو کی۔

۱۹۶۱ء میں الاتقان فی علوم القرآن کے ترجمہ پر نظر ثانی اور مقدمہ لکھا۔

پہلی شادی ۱۹۴۰ء میں ہوئی تھی لیکن اس کا انتقال ہوگیا دوسری شادی ۲۷/ذوالحجہ ۱۳۷۲ھ بمطابق ۲۸/اگست ۱۹۵۴ء میں کی جس سے چار لڑکے اور آٹھ لڑکیاں ہیں۔

۱۔ محمد الاول، یہ حافظ ہے۔

۲۔ محمد الثانی، یہ بھی حافظ ہے جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی میں دورۂ حدیث تک تکمیل کر کے اول پوزیشن حاصل کی، بعد ازیں تخصص فی الحدیث مولانا نعمانیؒ کی نگرانی میں کیا اور ممتاز رہا، بعد ازیں سندھ یونیورسٹی

سے پی۔ایچ۔ڈی کیا۔اوراب تک دسیوں تحقیقی مقالات جومختلف رسائل میں طبع ہوئے،اورمتعدد کتابیں بھی تصنیف کر چکا ہے۔جس پر کئی بار صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا ہےاور مسلسل روز نامہ جنگ میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں،اردو یونیورسٹی کراچی میں اسسٹنٹ پروفیسر کے عہدہ پر فائز ہیں اور متعدد اہل علم ان کی زیرنگرانی پی۔ایچ۔ڈی کر چکے ہیں۔

۳۔محمود۔یہ بھی حافظ اور عربی میں ادیب فاضل اور ایم۔اے ہے اور ڈیفنس اسکول ڈی۔ایچ میں پڑھاتا ہے۔

۴۔حماد۔اس نے بھی انٹر کیا ہے۔

۵۔حبیبہ۔یہ حافظ ہے۔اس کی شادی مولانا نعیم الدین صدیقیؒ مشیر امور مذہبی جامعہ کراچی سے ہوئی،یہ صاحب اولاد ہے۔

۶۔بشریٰ یہ بھی حافظ ہے اس کی شادی مولانا عبدالحلیم خان ناظم کتب خانہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی سے ہوئی ہے،یہ بھی ماشاءاللہ صاحب اولاد ہے۔

۷۔شاکرہ۔یہ بھی حافظ قرآن ہے اس کی شادی شکیل احمد خاں سے ہوئی ہے اور صاحب اولاد ہے۔

۸۔سلمہ بھی حافظ ہے۔اس کی بھی شادی ہو چکی ہے اور صاحب اولاد ہے۔

۹۔ذکیہ۔ہومیو پیتھک ڈاکٹر ہے۔یہ بھی شادی شدہ ہے۔

۱۰۔راشدہ۔یہ بھی ہومیو پیتھک ڈاکٹر ہے۔

۱۱۔سلمہ،۱۲۔نقیہ،۱۳۔صفیہ۔ان کی شادی عظیم الدین سے ہوئی ہے مدرسہ عائشہ کی فاضلہ اور ایم۔اے ہے۔

محمد عبدالعظیم عرف مظفر میاں:۔ میرے چھوٹے بھائی ہیں۔یہ ۱۳۵۹ھ بمطابق ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئے ابتداء میں چھوٹی موٹی تجارت کی ۱۹۴۷ء میں پاکستان آگئے سٹی پوسٹ آفس کراچی میں ملازمت کی اور ۱۹۸۰ء میں اس سے سبکدوش ہو گئے،۱۹۴۹ء میں میٹرک کیا،اور ادیب کا امتحان دیا۔۱۹۵۴ء میں شادی کی ماشاءاللہ صاحب اولاد ہیں،نیک وصالح ہیں،۱۴۰۲ھ میں مکتبہ اہل سنۃ و جماعۃ کراچی ۱۹ قائم کیا

اس سے حسب ذیل کتابیں اب تک شائع ہوچکی ہیں۔

۱۔شہداء کربلا پرافتراءازمولانامحمدعبدالرشیدنعمانیؒ۔

۲۔یزید کی شخصیت۔

۳۔کتاب الآثار لامام ابی حنیفہؒ۔

۴۔قصاص عثمانؓ اور حضرت علیؓ۔

۵۔کریما۔جلی وخفی،اردومنظوم ترجمہ،اورانگریزی ترجمہ۔

۶۔یزیدعلماءدیوبند کی نظرمیں،از ڈاکٹرقاری محمدضیاءالحق۔اب یہ تمام کتابیں الرحیم اکیڈیمی سے شائع ہوگئی ہیں۔

اولاد:۔ (۱)سعیدہ۔(۲)احمدمرحوم۔(۳)محمدعبدالواسع۔(۴)محمدعبدالرافع۔(۵)محمدعبدالنافع۔ (۶)عفت ناہید۔(۷)محمدعبدالجامع عرف طارق۔(۸)محمدعبدالصانع عرف شارق۔(۹)شازیہ۔ (۱۰)مبشرہ۔(۱۱)محمدعبدالمنیر۔(۱۲)محمدعبدالوالی عرف فیصل۔(۱۳)امۃ اللطیف عرف حناء۔(۱۴)محمد عبدالمتعالی،عرف نعمان۔(۱۵)میمونہ عرف ثناء۔

محمدعبدالرحمٰن غضنفر:۔ یہ میرے سب سے چھوٹے بھائی ہیں ۱۹۳۶ء میں پیداہوئے عربی فارسی مدارس عربیہ میں پڑھی لیکن تکمیل نہیں کی۔ابتداء میں تجارت کی پھرپوسٹ آفس میں ملازمت اختیار کی بعدازاں سعودی عرب میں کسی کمپنی میں ملازم ہوکر چلے گئے وہاں تین سال کام کیا۔اسی اثناء میں عمرے اور حج کیئے،یہ ہرفن مولیٰ ہیں اردوفارسی میں شعر کہتے ہیں،موٹررکشہ بھی چلاتے رہے ہیں،کسی کوتعویذ درکار ہوں تو اس سے بھی دریغ نہیں فرماتے ہیں۔ہومیو پیتھ ڈاکٹر بھی مستند ہیں کوئی بیمار ہوتو علاج معالجہ میں بھی انہیں پس وپیش نہیں ہے کتابیں جمع کرنے کا شوق ہے آج کل علمی ودینی ترقی اوراپنی آخرت کی بہتری کی خاطردینی کتابیں شائع کرتے ہیں اورشب وروز اس میں سرگرم عمل ہیں۔چنانچہ ایک کثیررقم سے الرحیم اکیڈمی یعنی (دارالنشرۃ العلمیہ) قائم کی ہے۔آدمی باغ وبہار ہیں،جتنی دیرآپ ان کے پاس بیٹھیں گے

خوش رہیں گے ،اللہ تعالیٰ ان کی دنیاو آخرت سدھارے اور دونوں جہان کی نعمتوں سے انہیں سرفراز فرمائے۔(آمین)

۱۹۵۹ء میں شادی کی تھی ،کنبہ ماشاء اللہ بڑا ہے ،لڑکے لڑکیوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) محمد اعجاز الرحمٰن عرف مسعود اختر۔ یہ حافظ قرآن ہے اور ۱۶/ اپریل ۲۰۰۸ء سے مفقود الجز ہیں۔حق تعالیٰ شانہ جلد اسے جلد بخیر و عافیت اپنے گھر لوٹائے۔(آمین)۔

(۲) محمد اعزاز الرحمٰن عرف سلمان اختر۔ان کا عین جوانی میں ۱۷/ جون ۲۰۰۸ء کو ایکسیڈنٹ میں انتقال ہوگیا،اللھم المغفرله و ارحمه و جعل الجنة مثواه ۔

(۳) محمد عبید الرحمٰن۔

(۴) عالیہ خانم۔

(۵) محمد عبد الحنان ضیغم۔

(۶) محمد عبود الرحمٰن عرف زرغام۔

(۷) عائشہ خانم۔

(۸) محمد عباد الرحمٰن۔

(۹) محمد عابد الرحمٰن۔

(۱۰) سعدیہ۔

الحمد للہ ان کی اولادوں میں چھ حافظ قرآن ہیں پانچ لڑکے اور ایک لڑکی عائشہ خانم ،اللہ تعالیٰ سب کو سلامت رکھے۔ آمین

حضرت مولانا حیدر حسن خان ٹونکیؒ:۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلفاء میں سے تھے، حاجی امداد اللہؒ نے انہیں جو سند خلافت عطا کی تھی وہ مطبوعہ تھی، اس کی فوٹو کاپی ہدیہ ناظرین ہے، حضرت مولانا حیدر حسن خان ٹونکیؒ بھی اپنے خلفاء کو یہ ہی سند دیتے تھے چنانچہ مولانا نعمانیؒ کو دی تھی، اس پر مولانا حیدر حسن خانؒ کے دستخط بھی موجود ہیں، یہ میں نے مولانا نعمانیؒ کے پاس دیکھی تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجی امداد اللہؒ ہجرت کے بعد اس طرح کی مطبوعہ سند خلافت واجازت اپنے خلفاء کو دیا کرتے تھے، یہ سلسلہ مکہ مکرمہ میں شروع کیا تھا، اس لئے کہ وہاں شامی اہل علم حضرات ان سے وابستہ تھے ان کی وجہ سے حضرت نے اجازت نامہ عربی میں چھپوایا تھا اسی وجہ سے اس نوع کا مطبوعہ خلافت نامہ تذکرۃ الخلیل میں نظر سے نہیں گزرا۔ اس اجازت نامہ کی فوٹو کاپی ہدیۂ ناظرین ہے۔(۱)

---

(۱) ان کا تذکرہ نقوش ''شخصیات نمبر'' لاہور ۱۹۵۴ ص ۱۹۸ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ابا میاں محمد عبد الرحیم خاطر رحمہ اللہ سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں شرف بیعت رکھتے تھے اور سلوک کی تکمیل مولانا حکیم محمد ابراہیم خان رُوحی ٹونکی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۶ فروری ۱۹۳۴ء) سے کی تھی۔ ابا میاں ان کے خلیفۂ مجاز تھے لیکن کسی کو بیعت نہیں کیا اور اس میں اخفاء ایسا کیا تھا کہ قریبی حضرات کو بھی اس کا علم نہ تھا۔

سلسلہ طریقت حسب ذیل ہے:۔

محمد عبد الرحیم خاطر، حضرت مولانا محمد ابراہیم خان رُوحی، حضرت شاہ محمد علی، حضرت شاہ سکندر علی، حضرت غلام محمد شاہ کشمیری عرف مسکین شاہ، حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی، حضرت شاہ فخر الدین دہلوی، حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی، حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی رحمہم اللہ تعالیٰ۔

خلافت نامہ

الٰہی عاقبت برادر دینی مسمّیٰ شیخ عبدالرحیم صاحب را بالخیر والعافیۃ باد بالنبی وآلہ الأمجاد بحق رب العباد و نیز برادر دینی شیخ موصوف را اجازت بیعت دادم کما أجازنا شیخنا ومرشدنا مولانا محمد علیشاہ قدس سرہ العزیز باید کہ شیخ موصوف حسب توفیق الٰہی پابند شریعت وصوم وصلوٰۃ مدام باشند و معروف باشاعت واعلاء کلمہ اللہ تعالیٰ خود را دانند۔ فقط والسلام

العبد

محمد ابراهیم عفی عنہ روحی چشتی نظامی

بقلم خود

شجرۂ چشتیہ معینہ نظامیہ فخریہ نیازیہ مسکینیہ منظومہ مجید اللہ خاں صاحب متخلص بخاور، جیل پریس (ریاست) جھالاواڑہ، ۱۳۳۰ھ (۱۹۰۰ء) ص ۹ تذکرہ روحی میں الہام الدین خان نے اس شجرہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس لئے ہم نے اس کا یہاں ذکر کیا ہے۔

الحمد لله والمنة که بهنگام محمود و اوان مسعود حسب الارشاد پیر و مرشد

حضرت مولوی محمد علی شاه صاحب

این شجره المسمی به

شجرهٔ چشتیهٔ معینیهٔ نظامیهٔ فخریهٔ نیازیهٔ مسکینیه

منظومهٔ محمد مجید احمد خان صاحب خلف

صاحبزاده بخشی صالح محمد خان صاحب مرحوم المتخلص به خاور

در مطبع محمدی سرکار ٹونک باهتمام غالب علیخان مهتمم مطبوع شد

مولانا محمد ابراہیم روحی ٹونکی رحمہ اللہ کا اجازت نامہ خلافت مجاز کا عکس ملاحظہ فرمائیں۔

اب درد فراق سے ہوں میں سقیم اے مظہر ذات خدائے کریم

مرشد مولانا ابراہیم اے صاحب علم و یقین مدد

الٰہی عاقبت برادر دینی شیخ عبدالرحیم صاحب بالخیر والعافیہ بالنبی وآلہ الامجاد بحق رب العباد و نیز برادر دینی شیخ موصوف را

اجازت بیعت دادم کما اجازنا شیخنا و مرشدنا مولانا محمد علی شاہ قدس سرہ العزیز

باید کہ شیخ موصوف حسب توفیق الٰہی پابند شریعت و صوم و صلوٰۃ مداوم باشند

فقط والسلام

محمد ابراہیم روحی چشتی نظامی

(۱) مولانا حکیم محمد ابراہیم روحی کی وفات ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ / بمطابق ۲۶ فروری ۱۹۳۴ء کو ہوئی۔ ان کا مزار شریف بھی بھیرہ (ٹونک) اپنے شیخ مولانا محمد علی شاہؒ کی درگاہ شریف کے چبوترے پر ہی ہے۔ "خورشید روحی" کے تعارف کے ذیل میں صفحہ ۱۶۷ و ۱۶۸ پر دو قطعات جناب منشی عبدالرحیم صاحب خوشنویس جے پوری متخلص بہ خاطر نے لکھے ہیں۔ (تذکرہ روحی ص: ۱۲-۱۳، طبع ٹونک، راجستان، رجب المرجب ۱۳۹۶ھ / جون ۱۹۷۶ء۔